در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

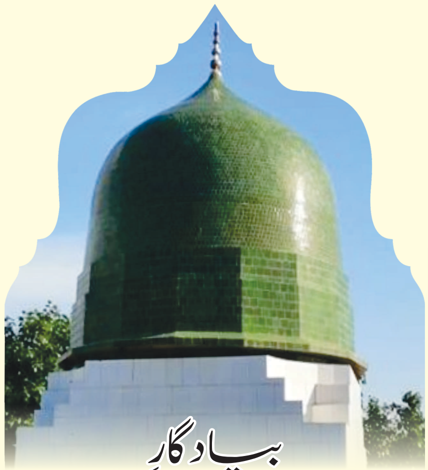

بیادگارِ

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی

رحمۃ اللہ علیہ

مجلّہ

الحسن

پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگار حضرت ابوالبرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

بانی مدیر اعلیٰ حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر پی ۳۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

مدیر اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

سرپرست اعلیٰ
(فقیر) سید
محمد نور الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۱-۲ | جلد نمبر ۱

یکم تا ۳۱ جولائی ۲۰۲۴ء | محرم الحرام ۱۴۴۶ھ

مدیر اعلیٰ سید غلام الحسنین قادری گیلانی نے عکاس پرنٹرز محلہ جنگی پشاور سے طبع کر کے یکہ توت پشاور سے شائع کیا۔

قربانی شبیر علیہ السلام

کون تڑپایا گیا کرب و بلا کی خاک پر
کس کا ماتم، ماتم تاریخِ انساں ہو گیا

دیکھ چشم خوں فشاں، قربانی شبیر دیکھ!
کربلا میں فاطمہ کے لال کی تقدیر دیکھ!

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	سید محمد نورالحسنین قادری گیلانی	۳
۲	حمد باری تعالی	خواجہ عبداللطیف شمیم بھیروی	۵
۳	انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویۃ	سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۶
۴	نعت شریف	محمد عبدالقیوم طارقؔ سلطانپوری	۱۰
۵	حیات سید الشہداء علیہ السلام	سید محمد انور شاہ قادری	۱۱
۶	شرح در معنی حریت اسلامیہ و سرّ حادثہ کربلا	ڈاکٹر علامہ زید گل خٹک	۲۴
۷	منقبت بحضور امام عالی مقام علیہ السلام	آغا شورش کاشمیری	۳۱
۸	امام زین العابدین علیہ السلام	سید محمد انور شاہ قادری	۳۲
۹	سیدنا حسن المثنّٰی علیہ السلام	سیدہ ام فروہ گیلانی	۳۹
۱۰	استفتاء مع الجواب	مفتی خلیل الرحمن قادری گلوزئی رحمۃ اللہ علیہ	۴۳
۱۱	مٹتا نہیں عشق حسین	پیر سید علی جنید الحق گیلانی	۵۷
۱۲	مقام اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۵۸
۱۳	حالاتِ حاضرہ	شبیر حسین امام	۶۳

شذرہ

دیر آید درست آید

(فقیر) سید محمد نور الحسنین قادری گیلانی

سجادہ نشین ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مجلہ ''الحسن'' پہلی بار ۱۹۵۵ء میں ایک سال تک ماہنامہ کی صورت میں شائع ہوتا رہا پھر ۱۹۷۴ء میں دوبارہ پندرہ روزہ کی صورت میں منظر عام پر آیا لیکن ایک سال بعد کچھ نامساعد حالات کی وجہ سے بند ہو گیا۔ پھر ۱۹۹۲ء میں اس کو دوبارہ شروع کیا گیا۔ اکتوبر ۲۰۰۴ء میں آقائی و مرشدی حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ صاحب قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بھی یہ رسالہ ۲۰۰۶ء تک چھپتا رہا لیکن اس کے بعد پندرہ روزہ ''الحسن'' طویل تعطل کا شکار رہا۔

اس تعطل کی خلش برس ہا برس ہم سب کے سینوں میں رہی۔ ''الحسن'' کے قارئین کو اس قدر طویل انتظار کرانے پر ہم تہہ دل سے معذرت خواہ ہیں۔ ''دیر آید درست آید'' کے مصداق اگرچہ نیک کام میں تاخیر ہو لیکن جب احسن طریقے سے کیا جائے تو اس کی افادیت اور اہمیت برقرار رہتی ہے۔ الحمدللہ ۱۸ سال کے بعد ''الحسن'' دوبارہ شائع ہونے جا رہا ہے اور یہ شمارہ جدید وقت کے تقاضوں کے مطابق آن لائن بھی شائع کیا جائے گا۔

یہ تحریر لکھتے وقت ہمیں انتہائی افسوسناک خبر ملی ہے کہ اسرائیل نے یمن پر بھی حملہ کر دیا ہے۔ ہم اس تکلیف دہ دور سے گزر رہے ہیں جہاں عمومی طور پر امّت مسلمہ نے فلسطین کے مسلمانوں کو تنہا چھوڑ دیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بے یار و مددگار فلسطینی اس بے سروسامانی اور کسمپرسی کے عالم میں صرف شہہ بطحا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم کے منتظر ہیں، بقول سید احمد ندیم قاسمی

ایک بار اور بھی بطحا سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجد اقصیٰ تیرا

مسلم ممالک کی اکثریت عملاً صدائے حق کا ساتھ دینے سے آنکھیں چرا رہی ہے اور فلسطین کے مسلمانوں کے خون کی ہولی خاموش تماشائی کی طرح دیکھ رہی ہے۔ اگر مسلمان اسی طرح خوابِ غفلت میں ہی رہے اور دین محمدی ﷺ کے لیے نہ اُٹھے تو اس کا خمیازہ پوری امّت مسلمہ کو بھگتنا پڑے گا۔ امام عالی مقام علیہ السلام کا قول ہے کہ ظلم کے خلاف جتنی دیر سے اٹھو گے، قربانی اتنی زیادہ دینی پڑے گی۔

دوسری طرف اگر ہم ملک خداداد پاکستان، جو اللہ تعالیٰ نے حضور سرور کائنات ﷺ کے وسیلے ہمیں عطا کیا، کے حالات پر نظر ڈالیں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ اس کو توڑنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ رب تعالیٰ ہمارے مقتدر حلقوں اور سیاستدانوں کو عقل سلیم عطا کرے کہ وہ پاکستان کو قائم رکھنے کی فکر کریں اور پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ اور امن اور عدل وانصاف کے قیام کی سنجیدہ اور مخلصانہ کوششیں کریں۔

فقیر ''الحسن'' کی ٹیم کا انتہائی ممنون ہے جو اس مجلّہ کو از سر نو شروع کرنے کی کاوش کر رہی ہے۔ رب تعالیٰ انہیں ہمت دے کہ وہ دین اسلام اور خصوصاً اہل سنت والجماعت اور فقہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ اس کے علاوہ یہ رسالہ ملک وقوم کے مسائل پر بھی عوام کی رہنمائی کرنے میں اپنا حصہ ڈالے۔

ان شاء اللہ جب تک اللہ سبحان تعالیٰ کے فضل اور حضور نبی رحمت للعالمین ﷺ کی کرم نوازی اور سرکار بغداد سیدنا غوث الاعظم سید شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید ''الحسن'' کے شامل حال رہی تو یہ پلیٹ فارم نہایت اخلاص اور حق گوئی کے ساتھ دین حنیف اور ملت اسلامیہ کی خدمت کرتا رہے گا۔

بسم اللہ

خواجہ عبداللطیف شمیم بھیروی

جلوہ جلوہ بسم اللہ ساز ساز بسم اللہ
سجدہ سجدہ بسم اللہ ہر نماز بسم اللہ

روح اور دل دونوں ہیں حریم محبوبی
جانِ شوق بسم اللہ شوقِ ناز بسم اللہ

وہ جمالِ بے پایاں، وہ جلالِ بے ہمتا
وہ تبسم نوریں جلوہ باز بسم اللہ

ہم ہیں تم، نہ تم ہم ہو، تم ہی تم ہو، تم ہی تم
عشق نے کیے عریاں راز سارے بسم اللہ

تو وجود لا موجود اور لا سے بے پروا
تو حریم ہستی ہے بے نیاز بسم اللہ

سلسلہ نفس کا ہے ایک تسلسل ابدی
کہہ رہا ہوں تجھ سے میں تیرا راز بسم اللہ

آپ کی عنایت ہے، آپ کی محبت سے
اے شمیم گل ہم ہیں سرفراز بسم اللہ

انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویہ

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

بَابُ مَا جَآءَ فِیۡ صِفَةِ خُبۡزِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

اس باب میں رسول کریم ﷺ کی روٹی کا بیان ہے۔

(اس باب میں آٹھ احادیث ہیں)

حل لغات: خُبۡزٌ: روٹی۔ ھو ما یخبز من بُرٍّ أو شَعِیۡرٍ وغیرھما۔

تشریح: اس باب میں حضور عالم علوم اولین وآخرین، خاتم النبیین، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی روٹی کا ذکر ہے یعنی آنجناب ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کا گزر اوقات انتہائی قناعت اور صبر کے ساتھ تھا اور حضور ﷺ نے میز پر روٹی نہیں تناول فرمائی اور نہ ہی میدہ کی روٹی نوش فرمائی کا بیان ہے۔

حدیث نمبر ۱/۱۳۷: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بۡنُ الۡمُثَنّٰی، وَمُحَمَّدُ بۡنُ بَشَّارٍ، قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بۡنُ جَعۡفَرٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعۡبَةُ، عَنۡ أَبِیۡ إِسۡحَاقَ قَالَ سَمِعۡتُ عَبۡدَ الرَّحۡمٰنِ بۡنَ یَزِیۡدَ، یُحَدِّثُ عَنِ الۡأَسۡوَدِ بۡنِ یَزِیۡدَ، عَنۡ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهَا، أَنَّهَا قَالَتۡ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مِنۡ خُبۡزِ الشَّعِیۡرِ یَوۡمَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ حَتّٰی قُبِضَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡهِ واٰلهٖ وَسَلَّمَ

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اہل خانہ نے مسلسل (پے در پے) دو دن تک جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی یہاں تک کہ جناب سیّد دو عالم ﷺ نے وصال فرمایا۔

حل لغات: مَا شَبِعَ: وہ شکم شیر نہ ہوئے۔ شَبِعٌ شکم شیر ہونا، پیٹ بھرا ہونا۔ ''مجمع البحار'' میں ہے کہ شِبْعٌ "بسکون با" وہ کھانا جس سے سیر ہو اور شِبَعٌ "بہ فتحہ با مصدر ہے یعنی سیر ہونا۔ مُتَتَابِعَيْن: پے در پے، مسلسل یکے بعد دیگرے۔

تشریح: اس حدیث میں شریف میں حضور پاک ﷺ کی اہل بیت کے (مسلسل) دو دن تک جَو کی روٹی نہ کھانے کا ذکر ہے۔ ایک حدیث مبارک میں آتا ہے۔

مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ طَعَامٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

یعنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی آل (پاک) نے تین دن تک برابر شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔

ایک اور حدیث (بخاری برقم ۶۶۸۷) میں ارشاد ہے:

"مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ مَأْدُومٍ"

یعنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی آل (پاک) نے تین دن تک سالن کے ساتھ روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی

نیز ایک اور حدیث شریف میں ہے:

"مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ يَوْمَيْنِ إِلَّا وَاحَدُهُمَا تَمْرٌ"

یعنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی اولاد (پاک) نے جب بھی دو دن سیر ہو کر کھانا کھایا تو ان میں سے ایک دن کھجور کھائی۔

گویا ایک دن کھانا کھایا تو ایک دن فاقہ ہوا۔ چونکہ سخاوت و بخشش، فقیروں، عاجزوں، مسکینوں اور غریبوں کی پرورش کرنا، ان کو کھانا کھلانا، ان کی حاجت براری کرنا سیّد عالم و عالمیان ﷺ کے گھرانہ کا خاص وصف تھا اور ہے، لہٰذا ایک دن اہل بیت نبوی ﷺ روٹی اور سالن وغیرہ نوش فرماتے اور دوسرے دن کھجور پر گزارہ کر کے غریبوں اور فقیروں کو روٹی کھلا دیتے۔ نیز اہل بیت نبوت ﷺ انتہائی صبر اور قناعت کی زندگی بسر فرماتے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو ہر قسم کی دنیاوی آلائشوں اور کثافتوں سے پاک وصاف رکھا تھا اسی طرح آنحضور ﷺ کے اہل بیت کو بھی ان کثافتوں

اور آلائشوں سے پاک وصاف رکھنا مقصود تھا۔ دنیاوی عیش وعشرت اور فارغ البالی کو ان مقدس وجودوں نے پسند ہی نہیں فرمایا بلکہ فقر وفاقہ کی زندگی کو ان تمام لذتوں پر ترجیح دے کر پیارے محبوب ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کو باعث فخر سمجھتے۔

حدیث نمبر ۱۳۸/۲: حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّورِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَرِيزُ بْنُ عُثْمَانَ، عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ يَقُولُ مَا كَانَ يَفْضُلُ عَنْ أَهْلِ بَيْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ خُبْزُ الشَّعِيْرِ۔

ترجمہ: ابی امامہ باہلی کہتے ہیں کہ اہل بیت نبی کریم ﷺ کو جَو کی روٹی اتنی کم میسر ہوتی کہ (کھانے کے بعد) کچھ بھی باقی نہ بچتی تھی۔

حل لغات: **فَضَلٌ**: باقی رہنا، بچنا، زیادہ ہونا۔

تشریح: جناب علامہ البیجوری بحوالہ میرک تحریر فرماتے ہیں

"أَيْ كَانَ لَا يَبْقَى فِي سُفْرَتِهِمْ فَاضِلًا عَنْ مَأْكُولِهِمْ"

یعنی ان کے دسترخوان پر کھانے سے کچھ بھی نہ بچتا تھا۔

گو یا جب جَو کی روٹی میسر ہوتی تو وہ بھی اتنی کم مقدار میں ہوتی کہ بمشکل اس سے شکم سیری ہوتی، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے "قَالَتْ مَا رَفَعَ عَنْ مَائِدَتِهٖ كِسْرَةَ خُبْزٍ فَضْلًا حَتّٰى قُبِضَ" وہ ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے دسترخوان کے اٹھائے جانے سے پہلے ایک ٹکرا روٹی کا بھی نہ ہوتا یہاں تک کہ آنجناب ﷺ کا وصال ہو گیا۔ ایک حدیث (بخاری برقیم ۶۴۵۱) انہی اُم المومنین سے مروی ہے:

لَقَدْ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ وَمَا فِي رَفِّي مِنْ شَيْءٍ

يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي، فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ

حدیث نمبر ۳/ ۱۳۹: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْجُمَحِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ هِلَالِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِياً هُوَ وَ اَهْلُهٗ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَ كَانَ اَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيْرِ۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سیّد دو عالم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راتیں پے در پے بھوکے گذارتے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل خانہ بھی عشاء کا کھانا نہ پاتے اور ان کا کھانا اکثر جَو کی روٹی ہوتی۔

حل لغات: طَاوِياً: أَيْ خَالِيَ الْبَطْنِ جَائِعًا۔ بھوکا پیٹ رہنا۔ طَوْیٌ سے ہے جس کا معنی اہل لغت نے قصداً بھوکا رہنا، برابر دودو تین تین دن (روز) کچھ نہ کھانا لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے طوی فلان: إِذَا جَوَّعَ نَفْسَهُ۔ عَشَآء: عین کی زبر کے ساتھ ہے وہ کھانا جو کہ خفتن کے وقت کھایا جاتا ہے اور کسرہ کے ساتھ بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں "ما یتعشون به فی اللیل"

تشریح: حضرت علامہ البیجوری تحریر فرماتے ہیں

وَ كَانَ صلی اللہ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ لشرف نفسه و فخامة منصبه يبالغ فى ستر ذٰلِكَ عن أصحابه، والا فكيف يظن عاقل أنه يبلغهم أنه يبيت طاوياً هو وأهل بيته الليالى المتتابعة، مع ما عَلَيْهِ طائفة منهم من الغنى، بل لو علم فقراؤهم فضلاً عن أغنيائهم ذٰلِكَ، لبذلوا الجهد فى تقديمه هو و أهل بيته على أنفسهم، و استبقوا على ايثاره۔ وهذا يدل على فضل الفقر، والتجنب عن السؤال مع الجوع (صفحہ ۸۳)

یعنی اللہ اکبر! حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرافت نفس اور عظمت منصب کی وجہ سے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر بھی اس کیفیت کا اظہار ہونے نہیں دیتے تھے اور اسی طرح آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار بھی دودو تین تین دن فاقہ سے گذار دیتے مگر کسی ایک (باقی صفحہ ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

نعت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت محمد عبدالقیوم طارقؔ سلطانپوری

کرم بے انتہا ہے گنبد خضرا کے سائے میں
عنایت برملا ہے گنبد خضرا کے سائے میں

زباں مدحت سرا ہے گنبد خضرا کے سائے میں
نظر وقف ثناء ہے گنبد خضرا کے سائے میں

دعا ہے، التجا ہے گنبد خضرا کے سائے میں
شہنشہ بھی گدا ہے گنبد خضرا کے سائے میں

جو نورانی فضا ہے گنبد خضرا کے سائے میں
ضیائے مصطفیٰ ہے گنبد خضرا کے سائے میں

وہ عاصی جو کھڑا ہے گنبد خضرا کے سائے میں
معافی پا رہا ہے گنبد خضرا کے سائے میں

کیا ہے نا امید ہر چارہ گر نے جن مریضوں کو
انہیں ان سے شفا ہے گنبد خضرا کے سائے میں

ہوا پا بوس چرخِ نیل گوں جس کا شب اسریٰ
وہی جلوہ نما ہے گنبد خضرا کے سائے میں

یہ در ہی رہنما ہے بارگاہِ حق تعالیٰ کا
درِ کعبہ بھی وا ہے گنبد خضرا کے سائے میں

رہوں محفوظ میں خورشید محشر کی تمازت سے
مجھے لایا گیا ہے گنبد خضرا کے سائے میں

اگر طیبہ سے دوری ہے تو ہے قسمت کی ناخوبی
مقدر کا بھلا ہے گنبد خضرا کے سائے میں

کوئی بادِ مخالف کیا بگاڑے گی مِیرا طارقؔ
میری نشو ونما ہے گنبد خضرا کے سائے میں

حیات سید الشہداء علیہ السلام

سید محمد انور شاہ قادری

(ریٹائرڈ) لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳ پشاور شہر

سید الشہداء امام عالی مقام سیدنا حضرت امام حسین علیہ السلام نے نبوت کے مقدس و بابرکت عہد میں آنکھ کھولی، خلافتِ راشدہ کے سنہری دور میں منزلِ شباب پر پہنچے اور ملوکیت و آمریت کے تاریک زمانہ میں شجرِ اسلام کی آبیاری اپنے خون سے کرتے ہوئے شہادتِ عظمیٰ کے مرتبہ علیاء پر فائز ہوئے۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کے ان تینوں ادوار کی ایک جھلک ان سطور پر پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے:

بخدا پیدا نہ ہوتے گر حسین ابن علی
لازماً تھا اک خلاء اسلام کی تاریخ میں
کرۂ ارضی کے انسانوں میں ان کی دھوم ہے
خون ہے ان کا عراق و شام کی تاریخ میں

ولادت باسعادت : امام الانبیاء سرورِ کونین جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب نواسے، امام الاولیاء شیرِ خدا جناب سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے صاحبزادے، سیدۃ النساء سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے لختِ جگر اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے برادرِ اصغر امام حسین علیہ السلام پانچ شعبان چار ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے [۱]۔ آقائے نامدار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت فرمائی اور اپنا لعابِ دہن آپ کے منہ میں ڈال کر گھٹی کے طور پر پہلی غذا بہم پہنچائی۔ ساتویں دن عقیقہ کر کے ''حسین'' نام تجویز فرمایا۔ سر کے بالوں کے برابر ہم وزن چاندی صدقہ کی اور دو دنبے ذبح فرمائے [۲]۔

۱: ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، مجلس دائرۃ المعارف نظامیہ حیدر آباد دکن، ۱۳۲۵ھ، جلد ۲ صفحہ ۳۴۵۔

۲: اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، دانشگاہِ پنجاب لاہور، ۱۹۸۳ء، جلد ۸، صفحہ ۳۲۳۔

بچپن: آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگر گوشہ بتول فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے نورِ چشم تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والہانہ وارفتگی کے باعث اُمہات المومنین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہوں کا مرکز و محور بھی حسنین کریمین ہی تھے۔ اسی الفت و محبت اور لاڈ و پیار سے بھرپور ماحول میں آپ کا بچپن گزرا۔ آپ کے گھر کا دروازہ مسجدِ نبوی میں کھلتا تھا۔ جب قدم لینا سیکھا تو گھر سے نکل کر فوراً مسجدِ نبوی میں پہنچ جاتے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ سے اس قدر محبت تھی کہ خطبہ کو چھوڑ کر آتے اور آپ کو اٹھا لیتے ا ۔ اسی طرح نماز میں سجدے کے دوران امام حسین علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ مبارک پر سوار ہو جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ لمبا کر لیتے اور اس وقت تک سر اوپر نہ اٹھاتے جب تک وہ پیٹھ سے اتر نہ جاتے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی نے جنگل سے ہرنی کا بچہ پکڑا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ جب امام حسین علیہ السلام نے دیکھا تو وہ بھی نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہرنی کے بچے کا مطالبہ کرنے لگے۔ قریب تھا کہ رو پڑتے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ہرنی اپنا دوسرا بچہ لے کر حاضر خدمت ہو جاتی ہے اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کرتی ہے "میرے یہ دو ہی بچے تھے ایک صحابی کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا اور دوسرا میں بحکم الٰہی پیش خدمت کر رہی ہوں کیونکہ اسے شہزادہ حسین مانگ رہے ہیں۔ اگر یہ رو پڑتے تو عرش پر فرشتوں کے دل دہل جاتے۔"۲ ۔

تعلیم و تربیت: امام عالی مقام علیہ السلام کا گھرانہ علم و فضل کا مرکز اور سرچشمہ تھا جس کی نورانی شعاعوں نے عرب و عجم کے ظلمت کدوں کو منور کر کے جہالت و گمراہی کے اندھیروں سے پاک کر دیا تھا۔ آپ کی تعلیم و تربیت کا آغاز بھی اسی گھرانے میں اپنے نانا جان معلمِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی و سرپرستی میں ہوا۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں مذکور ایک واقعہ سے اس پر مزید روشنی پڑتی ہے کہ "ایک روز حسنین کریمین علیہما السلام تختیاں لکھ کر نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس غرض سے حاضر ہوتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ا ۔: مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقبِ اہل بیت۔

۲ ۔: ابوالحسنات سید احمد شاہ قادری، اوراقِ غم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۲۰۰۔

دونوں تختیوں کو جانچ کر یہ فیصلہ فرمائیں کہ کس کا خط زیادہ اچھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ دونوں سے بے حد محبت فرماتے تھے اور کسی ایک کی بھی دل شکنی برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے انہیں باب العلم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں بھیج دیا۔ جناب حیدرِ کرار علیہ السلام نے بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے انہیں خاتونِ جنت سلام اللہ تعالیٰ علیہا کے پاس بھیجا۔ دونوں بھائیوں نے والدہ ماجدہ کی خدمت میں سارا ماجرا عرض کر کے فیصلہ کرنے کی درخواست کی۔ جنابہ سیدہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا نے اس مشکل مسئلہ کو حل کرنے کی ترکیب نکالی اور فرمایا "بیٹا! میرے پاس یہ سات موتی ہیں، میں انہیں پھینکتی ہوں جس کے حصہ میں زیادہ موتی آئے اس کی تختی اچھی ہوگی۔ چنانچہ تین تین موتی ہر ایک شہزادے کے حصہ میں آئے اور ساتواں موتی روح الامین نے بحکم الٰہی دو ٹکڑے کر دیا اور ہر ایک کو آدھا آدھا ملا۔[1]

علاوہ ازیں امام عالی مقام علیہ السلام کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جناب سیدنا علی المرتضیٰ، سیدۃ النساء سیدہ فاطمۃ الزہرا، حضرت ہند بن ابی ہالہ اور امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسمائے مبارکہ کا ذکر کیا ہے[2]۔ گویا یہ عظیم المرتبت حضرات امام پاک علیہ السلام کے اساتذہ میں شامل ہیں اور ان جلیل القدر ہستیوں سے امام عالی مقام علیہ السلام نے درس لیا اور فیوض و برکات حاصل کر کے تعلیم و تربیت سے آراستہ ہوئے۔

فضائل ومحاسن: حضرت امام عالی مقام سیدنا حسین علیہ السلام خَلق و خُلُق میں اپنے نانا جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال و کمال کے آئینہ دار تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم آپ کی صورتِ ظاہری کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"حضرت حسن علیہ السلام رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر اقدس سے لے کر قلب مبارک تک اور حضرت حسین علیہما السلام قلب اطہر سے جسم کے نچلے حصہ (پنڈلی وقدم مبارک) تک بہت

۱: ابوالحسنات سید احمد شاہ قادری، اوراقِ غم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۲۰۰۔

۲: ابن حجر عسقلانی، محولہ بالا، صفحہ ۳۴۵۔

زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔''[۱]

گویا آپ اپنے نانا جان ﷺ کی تصویر اور حسن و جمال کے اعلیٰ ترین مقام کے حامل ہیں۔ اسی طرح سیرتِ طیبہ اور اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے اپنے پیارے محبوب ﷺ کے اس محبوب نواسے کے متعدد فضائل قرآن مجید فرقان حمید میں بیان فرمائے ہیں۔ نیز سرورِ عالم و عالمیان ﷺ نے اپنے ارشاداتِ مبارکہ میں بھی آپ کی فضیلت و محبوبیت اور عظمت و رفعت کی واضح طور پر نشاندہی فرمائی ہے جس کی تفصیلات ان صفحات میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی صرف تین آیات کریمہ کا ذکر کافی ہوگا۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی (ﷺ) کے گھر والو کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی دور فرمائے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی اس آیہ کریمہ کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ

''جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو حضور پاک ﷺ نے حضرت خاتونِ جنت سلام اللہ تعالیٰ علیہا، آپ کے شوہر نامدار اور دونوں بیٹوں حسنین کریمین علیہما السلام کو اپنے پاس بٹھایا اور اپنی چادر ان پر ڈال کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی اے اللہ یہ میرے اہل بیت اور حمایتی ہیں ان سے پلیدی دور فرما اور انہیں پاک وصاف فرما۔''[۲]

اسی طرح جب قرآن کریم کی حقانیت کے متعلق عیسائیوں سے آپ ﷺ کا مباہلہ ہوا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمْ
وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَھِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ (اٰل عمران: ۶۱)

یعنی (اے محبوب) آپ فرما دیں کہ آجاؤ بلا لیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تم بلاؤ اپنے بیٹے اور ہم اپنی عورتوں

۱: رواہ الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب اہلبیت رسول۔

۲: جلال الدین سیوطی، تفسیر دُرِ منثور۔

کو اور تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنی جان کو اور تم اپنی جان کو پھر مل کر دعا کریں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔

اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے دار العلوم دیوبند کے مایہ ناز عالم علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''آپ ﷺ حضرت حسن، حسین، فاطمہ اور علی (علیہم السلام) کو لے کر باہر تشریف لائے۔ یہ نورانی صورتیں دیکھ کر ان کے لاٹ پادری نے کہا میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے، ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو۔''۱؎

''اسی طرح جب آیت مودت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (الشوریٰ: ۲۳) (یعنی میں تم سے اس پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ میری اہل بیت سے محبت کرو) نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ﷺ واضح فرماویں کہ وہ کون سے قرابت دار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور فاطمۃ الزہرا سلام اللہ تعالیٰ علیہا اور ان دونوں کی اولاد۔''۲؎

قرآن کے ساتھ ساتھ صاحبِ قرآن کے بھی صرف تین فرمودات پیش کئے جاتے ہیں اور امام حسین علیہ السلام کے ان فضائل و محامد کو مدنظر رکھتے ہوئے آپکے مقام پر غور فرمائیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں میرے بعد جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسری سے عظیم تر ہے۔ ایک تو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ کی آسمان سے زمین کی طرف پھیلی ہوئی رسی ہے اور دوسری میری اولاد ہے، میرے گھر والے ہیں اور ہرگز الگ الگ نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر وہ (دونوں) میرے پاس آ پہنچیں گے۔ پس تم سوچ لو کہ میرے بعد تم ان سے کیا معاملہ کرتے ہو اور کیسے پیش آتے ہو (رواہ الترمذی)۔۳؎

۱؎: ترجمہ و حواشی قرآن مجید از شبیر احمد عثمانی، مدینہ پریس بجنور، صفحہ ۷۴-۷۵۔

۲؎: بحولہ بالا تفسیر دُرِ منثور۔

۳؎: مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب اہل بیت، اردو ترجمہ مظاہر حق (جدید)، دار الاشاعت کراچی، صفحہ ۷۷۶۔

یہی حدیثِ مبارکہ الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ احادیث کی دیگر کتابوں میں بھی آئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کے اہل بیت میں کون شخص آپ کو سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہے تو آپ نے فرمایا حسن اور حسین (علیہما السلام)۔ ا؎

نیز امام حسین علیہ السلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جس نے حسین سے محبت رکھی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھی۔ حسین اسباط میں سے ایک سبط (بیٹا) ہے" ۲؎۔ شارحِ مشکوٰۃ شریف حضرت علامہ نواب محمد قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث شریف کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گویا نورِ نبوت سے اس المیہ کا پہلے ہی ادراک کر لیا تھا جو تقریباً نصف صدی بعد یزیدیوں کی طرف سے حضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کی صورت میں پیش آنے والا تھا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشادِ گرامی میں خاص طور پر حضرت حسین علیہ السلام کا ذکر کیا اور واضح کیا کہ میں اور حسین یک جان و دو قالب ہیں۔ ہم دونوں کے درمیان ایسا جسمانی و روحانی قرب و اتصال ہے کہ جس طرح مجھ سے محبت رکھنا واجب ہے اور جس طرح مجھ سے مخالفت و مخاصمت رکھنا اور مجھ سے لڑنا حرام ہے اسی طرح حسین علیہ السلام سے محبت رکھنا واجب ہے اسی طرح حسین سے مخالفت رکھنا اور حسین سے لڑنا حرام ہے۔" ۳؎

قرآن کریم و احادیث کے ان جواہر پاروں کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پیارے محبوب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بے پناہ محبت کے روح پرور نظارے بھی ملاحظہ فرمائے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دونوں نواسوں سے تھی۔ اسی لئے حضرات صحابہ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ہمیشہ حسنین کریمین علیہما السلام کو دوسرے تمام لوگوں پر ترجیح دیتے تھے جس کی وضاحت درج ذیل واقعات سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

ا؎: ایضاً مشکوٰۃ المصابیح

۲؎: ایضاً

۳؎: ایضاً مظاہر حق (جدید)، شرح مشکوٰۃ۔

خلیفہ ثانی حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب مسلمانوں کیلئے وظیفہ مقرر فرمایا تو وہ صحابہ کرام جو غزوۂ بدر میں شریک تھے اور اس وقت تک زندہ تھے ان کو دوسروں کو فوقیت دیتے ہوئے ان کا پانچ پانچ ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ اس موقع پر حسنین کریمین علیہما السلام کیلئے بھی پانچ پانچ ہزار مقرر کئے گئے۔ ا۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں غزوہ بدر ۱۷ رمضان المبارک ایک ہجری میں وقوع پذیر ہوا اور حسنین کریمین علیہما السلام اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے لیکن قربت ونسبتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر بدری صحابہ کے برابر وظیفہ مقرر ہوا حالانکہ اصحابِ بدر کے لڑکوں کو دو دو ہزار درہم وظیفہ ملتا تھا۔ ۲۔

ایک مرتبہ امام حسین علیہ السلام ایک جنازہ پر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے وہ راستے میں امام عالی مقام علیہ السلام کے پاؤں کی گرد جھاڑنے لگے۔ آپ نے منع کرتے ہوئے فرمایا ''اے ابو ہریرہ یہ کیا کر رہے ہو تو اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گویا ہوئے مجھے یہ کام کرنے دیجئے، مت روکئے آپ کے فضائل ومناقب جس قدر مجھے معلوم ہیں اگر وہ دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں تو لوگ آپ کو پیدل چلنے بھی نہ دیں بلکہ اپنے کاندھوں پر اٹھالیں''۔ ۳۔

عبادت وریاضت: امام عالی مقام علیہ السلام جس ماحول میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور جوان ہوئے وہ عبادت وریاضت سے معمور تھا۔ آپ ہر وقت اپنے نانا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، والدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عبادت وریاضت میں مشغول پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ امام عالی مقام علیہ السلام فرائض کے علاوہ نوافل (نماز، روزہ، زکوٰۃ وصدقات اور حج بیت اللہ شریف کی ادائیگی) میں بھی آپ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کے حد سے بڑھے ہوئے ذوقِ عبادت کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

''عبادت وریاضت آپ کا معمول تھا، بکثرت نوافل پڑھتے تھے، قیام اللیل آپ کا دستور تھا،

ا۔: علامہ محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، اردو ترجمہ عبداللہ العمادی، نفیس اکیڈیمی کراچی، ۱۹۸۰ء، جلد ۳، صفحہ ۸۴۔

۲۔: عمر ابوالنصر، الحسین، اردو ترجمہ شیخ احمد پانی پتی، مکتبہ جدید لاہور، ۱۹۵۶ء، صفحہ ۴۳۔

۳۔: خاندانِ نبوت از سید آل محبوب، عظیم پبلشنگ پشاور، صفحہ ۱۰۵۔

روزے بکثرت رکھتے اور سادہ غذا سے افطار فرماتے تھے، آپ نے پچیس حج ادا کئے'' ۱؎

جبکہ علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:

''حضرت حسین علیہ السلام نے پچیس (۲۵) حج پا پیادہ کئے، بہت زیادہ روزے رکھنے والے، نماز پڑھنے والے، حج وصدقہ اور تمام افعالِ خیر زیادہ کرنے والے تھے'' ۲؎

علامہ ابن کثیر ''البدایہ والنہایہ'' میں آپ کے اخلاق ومحامد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس شخص کے مکارم پر فیاضی ختم ہو جاتی ہے، وہ حیاء کے باعث نگاہیں نیچی رکھتا ہے اور اس کی ہیبت کی وجہ سے نگاہیں نیچی کی جاتی ہیں۔ اس کی غایت کے بُعد کو کوئی سخی نہیں پا سکتا اور نہ لوگ اس کی سخاوت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ خواہ وہ اس کا ارادہ بھی کریں جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے وہ اس کی اولیت کو بھی جانتا ہے اور اس گھر سے لوگوں نے دین حاصل کیا ہے وہ کون سے خاندان ہیں جن کی گردنیں اس کی اولیت کے آگے سرنگوں نہیں'' ۳؎

تقویٰ وطہارت: آپ کی ذات بابرکات تقویٰ وطہارت کا اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ آپ کی پاکبازی اور عفت پر قرآن گواہ ہے۔ اس سلسلہ میں آیہ تطہیر کا ترجمہ وتفسیر پیش کی جا چکی ہے۔ اسی طرح آپ تقویٰ کے جس بلند ترین مقام پر فائز تھے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صاف ستھرے پاکیزہ لباس میں بازار تشریف لے جاتے، جب واپس آتے تو کپڑے تبدیل کر کے نماز ادا فرماتے۔ آپ کے خادم نے ایک دن بڑی حیرانگی سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ فرمانے لگے کہ تمہاری بات درست ہے کہ بظاہر تو یہ لباس بالکل پاک وصاف ہے لیکن بازار میں سود خور، شراب خوروں، زانیوں اور جواریوں کی نظر اس پر پڑ چکی ہیں اور مجھے شرم آتی ہے کہ اس الٰہ العالمین کی بارگاہ میں اس روحانی طور پر آلودہ لباس کو زیب تن کئے ہوئے قیام کروں اور نماز ادا کروں۔ ۴؎

۱؎: ذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد ۳، صفحہ ۱۹۶

۲؎: ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، اردو ترجمہ عبد الشکور، مکتبہ نبویہ لاہور۔

۳؎: ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، اردو ترجمہ اختر فتح پوری، نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۸۹ء، جلد ۸، صفحہ ۱۱۱۹۔۱۱۲۰۔

۴؎: خطبہ حضرت سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی بسلسلہ شہدائے کربلا کانفرنس بمقام وڈپگہ۔

عفو و درگزر: آپ کی شخصیت میں حلم و بردباری اور عفو و درگزر کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ غلاموں اور کنیزوں کی لغزشیں معاف کرنا اور انہیں آزاد کرنا آپ کا شیوہ تھا۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۴ کے ضمن میں صاحب تفسیر حسینی نے آپ کی اس صفتِ مبارکہ کا ذکر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''ایک دن جناب امام حسین علیہ السلام مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرمانے بیٹھے تھے کہ آپ کا خادم جلتی ہوئی آش (شوربا) کا کاسہ مجلس میں لایا، دہشت سے اس کا پاؤں فرش کے کنارے لڑکھڑایا، کاسہ جناب امام علیہ السلام کے سر مبارک پر گر کر ٹوٹ گیا اور جلتی ہوئی آش سر اطہر پر گری حضرت امام حسین علیہ السلام نے خادم کی طرف دیکھا۔ خادم کی زبان پر جاری ہوا وَ الكَاظِمِينَ الْغَيْظَ (اور جو غصہ کو پی جاتے ہیں) امام علیہ السلام نے فرمایا غصہ میں نے فرو کیا۔ خادم بولا وَ الْعَافِينَ عِنِ النَّاسِ (اور لوگو کو معاف کرتے ہیں) امام علیہ السلام نے فرمایا میں نے معاف کیا۔ وَ اللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے) جناب امام حسین علیہ السلام نے فرمایا جا میں نے تجھے اپنے مال سے آزاد کر دیا''[۱]۔

اس واقعہ سے آپ کے عفو و درگزر کے علاوہ آپکی مہمان نوازی اور خدام کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کی صفتِ حسنہ پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ خدام آپ کے پاس رہتے ہوئے قرآن حکیم کے معانی و مفہوم پر مہارت حاصل کرنے کے علاوہ حکمت و دانائی کی دولت سے بھی مالا مال ہو جاتے تھے۔

جود و سخا: جود و سخا اور جرأت و شجاعت آپ کی وہ نمایاں اور ممتاز خصوصیات ہیں جن میں کوئی آپ کا ثانی نہیں۔ آپ کی فیاضی و سخاوت پر قرآن مجید کی گواہی موجود ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا (سورہ الدھر: ۸)

ترجمہ: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو۔

مفسرین اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ آیت حسنین کریمین علیہما السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزے کا ارشاد گرامی ہے کہ ''حسن میری ہیبت و سرداری اور

[۱]: ملا حسین واعظ کاشفی، تفسیر حسینی اردو ترجمہ تفسیر قادری، منشی نول کشور، صفحہ ۱۳۰-۱۳۱۔

حسین میری جرأت و سخاوت کا نشان ہے"۔ یہی وجہ تھی کہ فقراء سے حسن سلوک، غرباء کے گھروں پر کھانا پہنچانا اور قرض داروں کے قرضے کی ادائیگی آپ کا روزمرہ کا معمول تھا۔ ۲ ؎

ایک مرتبہ امام حسین علیہ السلام حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ وہ بڑے دردناک انداز میں اپنے غم واندوہ کو یاد کررہے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کیا غم ہے تمہیں۔ وہ عرض کرنے لگے مجھ پر ساٹھ ہزار درہم کا قرضہ ہے کہیں اس کے ادا کرنے سے قبل مر نہ جاؤں، یہی غم پریشان کئے ہوئے ہے، آپ نے فرمایا اس کی فکر بالکل چھوڑ دو۔ آپ کا یہ قرضہ میرے ذمہ، میں اسے اتار دوں گا اور پھر آپ نے وہ ساٹھ ہزار درہم ان کی طرف سے ادا فرمادیئے۔ ۳ ؎

شہادتِ عظمیٰ: حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا دلخراش و دردناک سانحہ دس (۱۰) محرم الحرام ۶۱ ہجری کو میدانِ کربلا میں یزیدی فوجوں کے ہاتھوں رونما ہوا اور یوں ان بدبخت و شقی القلب ظالموں نے گلشن رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پامال کرتے ہوئے خزاں رسیدہ کردیا۔ اس حادثہ کربلا کے مفصل حالات مختلف کتابوں، رسائل اور مضامین میں ملتے ہیں، دنیا کی تقریباً ہر زندہ زبان کے ادب میں نظم ونثر کی صورت میں اس کا ذکر موجود ہے۔

سطورِ ہٰذا میں شہادتِ عظمیٰ کے واقعات بیان کرنے کی بجائے مقصد ونصب العین کی وضاحت ضروری سمجھی جاتی ہے تاکہ قارئین یہ جان سکیں کہ آپ کی یہ مساعی جمیلہ دنیاوی جاہ ومنصب کے حصول کیلئے نہ تھی بلکہ خالصتاً نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احیاء کی ایک ناقابل فراموش کوشش تھی۔ چنانچہ ان حقائق تک رسائی حاصل کرنے کیلئے سیدنا امام حسین علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کا بغور مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن وحدیث میں مذکور آپ کے بے شمار فضائل ومحاسن آپکی سیرت وکردار اور اخلاص وللّٰہیت پر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت خود بخود واضح ہوجاتی ہے کہ امام پاک علیہ السلام کا یہ اقدام جاہ ومنصب کے

۱؎: ابن حجر عسقلانی، محولہ بالا، جلد ۲، صفحہ ۳۴۵۔

۲؎: دائرہ معارفِ اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، جلد ۸، صفحہ ۳۲۵۔

۳؎: جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، صفحہ ۲۵۔

حصول کیلئے ہر گز نہیں تھا بلکہ ایسا سوچنا بھی محال ہے کیونکہ آپ جس مقدس طائفے کے امام و پیشوا ہیں یعنی اولیاء کرام و صوفیائے عظام اور یہی وہ جماعت ہے جو حقیقی معنوں میں آپکی عقید تمند اور پیرو کار ہے۔اس گروہِ اصفیاء کی تاریخ شاہد ہے کہ ان حضرات نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی، دنیاوی مال و متاع، جاہ و منصب اور عہدے ان کیلئے پر کاہ کے برابر بھی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ یادِ الٰہی اور رضائے الٰہی ہمیشہ ان کا شعار رہا۔اگر ان صاحبانِ دعوت و عزیمت نے کسی موقع پر کسی تحریک میں کوئی کردار ادا کیا بھی تو انسانیت کی فلاح و اصلاحِ دین اسلام کی عظمت اور ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحفظ مقصود تھا،کوئی نفع و طمع پیش نظر نہ تھا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ان اوصافِ جمیلہ کے حامل حضرات صوفیاء کا تعلق صرف زمانہ ماضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عصر حاضر کا مادیت پرست معاشرہ بھی انکے وجود با جود سے خالی نہیں اور ان کامل ترین ہستیوں کی حیاتِ طیبات میں مذکورہ بالا اخلاق و کردار کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

لہٰذا غور وفکر کا مقام ہے کہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی جس عظیم المرتبت ہستی کے غلاموں کی یہ کیفیت ہے ان کے ملجا و ماویٰ اور قبلہ و کعبہ سیدنا امام حسین علیہ السلام کی بلند کرداری اور دنیا سے بے رغبتی کا کیا عالم ہوگا جن کی نگرانی و سرپرستی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، امام الاولیاء اور سیدۃ النساء نے فرمائی۔جن کی گھٹی لعابِ دہنِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھی، جن کی رگوں میں علی المرتضیٰ علیہ السلام کا خون دوڑ رہا تھا اور جن کی پرورش شیر بتول پر ہوئی جن کی شان میں قرآن نازل ہوا اور جن کی عظمت احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عیاں ہے۔

لہٰذا شہادتِ عظمیٰ کی غرض و غایت کو سمجھنے اور اس کا ادراک حاصل کرنے کے لیے سید الشہداء کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے کے علاوہ نظامِ اسلام کی تاریخ کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے اور یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ نظام اسلام اور امام عالی مقام علیہ السلام دونوں ساتھ ساتھ مدینہ منورہ میں حضور نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی و سرپرستی میں پروان چڑھے اور مختلف ارتقائی منزل طے فرمائیں اور ان دونوں کا آپ کے ساتھ اس قدر گہرا اور مضبوط تعلق تھا جس طرح جسم و جاں اور روح و قلب کا آپس میں گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ گویا یہ دونوں لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے تھے۔سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد عہد خلافتِ راشدہ میں حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اس نظامِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوام و استحکام بخشنے میں کوئی کسر

نہ چھوڑی۔ اس عرصہ میں سید الشہداء کے ساتھ جو مشفقانہ برتاؤ کیا جاتا تھا اس کی طرف گذشتہ سطور میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔ خلفائے راشدین کی شبانہ وروز جدوجہد اور مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں انسانیت اس آفاقی نظام کی مساوات، عدل وانصاف اور فیوض وبرکات سے مستفید ہونے لگی اور دنیا امن وعافیت کا مقام اور جنت کا نظارہ پیش کرنے لگی۔ بنی آدم کے ازلی دشمن ابلیس لعین سے یہ صورتحال برداشت نہ ہو سکی اور اس نے اسے جہنم بنانے کے لیے اپنی شرانگیزی کے مختلف محاذ کھول دیئے اور نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان برکات سے دنیا کو محروم کرنے کے لیے اس کے خلاف جلی وخفی سازشوں کا جال بچھا دیا۔

مجاہدین اسلام اس کے ظاہری منصوبوں کو تو میدانِ جہاد میں بڑی جوانمردی کے ساتھ خاک میں ملاتے رہے لیکن خفیہ تدابیر سے جو فتنے رونما ہوئے ان کا تدارک ممکن نہ ہو سکا اور ایک ایسی ہی سازش کے نتیجہ میں جو فساد پیدا ہوا اس میں نہ صرف خلیفہ سوم سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے بلکہ نظام اسلام کو بھی پے در پے وار کر کے مضمحل کر دیا گیا۔ ان حالات میں خلیفہ چہارم حیدرِ کرار سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے اس نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قائم دائم رکھنے کے لیے ہر قسم کے مصائب و مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور آخر دم تک اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے ۴۰ ہجری کو جامِ شہادت نوش فرمایا اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے اس افضل ترین نظام کا بھی خاتمہ ہو گیا جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پاک کی حقیقت بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہو گی [۱]۔ الغرض فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بموجب ملوکیت نے غلبہ حاصل کر لیا جس کے دوام کے لیے ۶۰ ہجری میں آمریت یزید کے روپ میں سامنے آئی جو نظامِ اسلام کی بالکل ضد تھی اور اس کی نشاندہی مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمائی تھی کہ بنوامیہ کا ایک شخص یزید نامی امت کے عدل وانصاف میں رخنہ ڈالے گا اور میری سنتوں کو تبدیل کرے گا۔ [۲]

چنانچہ نواسۂ رسول جیسے اولوالعزم مجاہدِ اسلام اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جرأت وشجاعت کے امین

۱: جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، صفحہ ۲۵ ۲: ایضاً صفحہ ۲۱۰

جناب سیدنا امام حسین علیہ السلام سے یہ صورتحال دیکھی نہ جا سکی کیونکہ نظامِ مصطفی کی عظیم الشان اور پُرشکوہ عمارت تو پہلے ہی گرائی جا چکی تھی لیکن اب شریعتِ محمدیہ کو تبدیل کرنے کی مذموم کوششیں شروع ہو چکی تھیں جن کے سدباب کے لیے امام حسین علیہ السلام ہر قسم کی مصلحتوں، مشوروں، اندیشوں اور خطروں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں عزم وہمت کی چٹان بن کر کھڑے ہو گئے۔

اسی ارفع واعلیٰ نصب العین کے لیے آپ نے سب کچھ بارگاہِ الٰہی میں پیش کر دیا۔ وفادار دوست، جاں نثار عقیدتمند، جوانسال بھائی، بھتیجے، بھانجے، شیر خوار، نونہال سب کے سب راہِ حق میں قربان کر دیئے اور آخر میں اپنی جان بھی جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

حق و باطل کے اس تاریخی معرکہ میں اس عظیم الشان اور لازوال قربانی سے نظامِ مصطفیٰ کا احیاء تو عمل میں نہ آسکا لیکن اس کے ذریعہ چراغِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر منور و تاباں ہو گیا کہ آج چودہ صدیاں بیت جانے کے باوجود امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قافلہ اسی کی روشنی میں منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہے

گھر کا ہر اک چراغ بجھا کر امامِ دیں
اسلام کی نمودِ سحر دیکھتے رہے

بقیہ: انوارِ غوثیہ

شخص پر بھی اس کا اظہار نہ کرتے، ورنہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو کہ آنحضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت اطہار علیہم السلام پر تمام مال و دولت نچھاور کرنے والے تھے اس فقر کی کیفیت کو برداشت کر سکتے تھے لیکن اس سے اس بات کی تعلیم دینا مقصود تھا کہ فقراء اغنیاء پر فضیلت رکھتے ہیں، اسی لئے حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آنجناب کے اہل بیت اطہار علیہم السلام نے خود بنفس نفیس اس پر عمل کر کے فقر کی فضیلت کو ثابت فرما دیا نیز بھوکے رہنے کے باوجود دست سوال پھیلانے سے منع فرما دیا۔ یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صبر و استقامت سے بھرپور اسوہ حسنہ ہے۔

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ الله ـــــ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

(جاری ہے)

شرح در معنی حریت اسلامیہ وسرّ حادثہ کربلا

ڈاکٹر علامہ زید گل خٹک

مرتّب: عمران جاوید

زیرِ نظر مضمون حضرت علامہ ڈاکٹر زید گل خٹک صاحب کے آڈیو لیکچر کو تحریری شکل میں مرتب کر کے قارئین کی خدمت پیش کیا جا رہا ہے۔ اس لیکچر میں زید گل خٹک صاحب نے ''رموز بیخودی'' میں موجود حکیم الامّت علامہ محمد اقبال کی نظم ''در معنی حریت اسلامیہ وسر حادثہ کربلا'' کی صوتی شرح پیش کی ہے جس کا ابتدائیہ اس شمارے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ ادارہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یوں ہی نہیں جہان میں چرچا حسین کا
کچھ دیکھ کر ہوا ہے زمانہ حسین کا
سر دے کے دو جہاں کی حکومت خرید لی
مہنگا پڑا یزید کو سودا حسین کا

محرم شریف کا آغاز ہو چکا ہے۔ محرم شریف اگر ایک آسمان ہے تو اس پر آفتاب امام عالی مقام علیہ السلام ہیں۔ امام عالی مقام علیہ السلام فرزندِ رسول کی مبارک زندگی کے ساتھ کیا کیا خصوصیات وابستہ ہیں، کیا کیا مقاصد وابستہ ہیں، آپ علیہ السلام کی کتنی منقبت ہے، کتنی شان ہے، کتنی عظمت ہے، آپ علیہ السلام کی سیرت کتنی چمکدار اور روشن ہے، آپ علیہ السلام کے ساتھ مودّت اور آپ علیہ السلام کی پیروی کتنی ضروری ہے؟

یہ صرف جذبات کا معاملہ نہیں ہے، صرف ایک دن کا معاملہ نہیں ہے، یہ وقتی جوش نہیں ہے کہ دو دن

اس میں گزارے جائیں اور پھر آدمی اس سے غافل ہو جائے۔ امام عالی مقام علیہ السلام ہمارے لئے مینارہ نور ہیں، مشعل بردار ہیں اور ترجمانِ ملّت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ علیہ السلام بجا طور پر آبروئے ملّت ہیں۔ بہت کچھ آپ علیہ السلام کے حوالے سے آثار کی کتب میں احادیث کی کتب میں وارد ہوا ہے۔ آپ علیہ السلام پر بہت کچھ لکھا گیا، عربی زبان میں، فارسی زبان میں، اُردو میں بھی لکھا گیا، انگریزی میں مجھے معلوم نہیں ہے ہلکا پھلکا ضرور لکھا گیا ہوگا۔ کسی مستشرق نے کچھ لکھا ہوا ہے کیوں کہ کئی انگریزی کے قصے حوالوں میں دیکھے ہیں لیکن عربی و فارسی اور اُردو میں آپ علیہ السلام پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مستقل کُتب لکھی گئی ہیں۔

سیدنا امام عالی مقام علیہ السلام کے حوالے سے میرے آقا جناب رسالت ماب علیہ السلام کی یہ ایک روایت، یہ ایک حدیث جو متواتر ہے

حسین منی و أنا من الحسین

صرف اس حدیث مبارکہ سے اگر ہم مانوس ہو جائیں، روشناس ہو جائیں تو امام عالی مقام علیہ السلام کی عظمت ہمارے سامنے منکشف ہو جائے گی۔ حسین منی حسین مجھ سے ہے، میرا فرزندِ دلبند ہے و أنا من الحسین اور ہم سب حسین سے ہیں۔ انا میں سب کچھ آ گیا۔ انا میں توحید بھی آ گئی، انا میں رسالت بھی آ گئی، انا میں امّت بھی آ گئی، انا میں اسوہ حسنہ کی اقدار بھی آ گئیں، یہ سارا کچھ انا ہے۔ و أنا من الحسین اور ہم سب میں یہ ساری اقدار حسین علیہ السلام کے دم قدم سے زندہ ہیں۔ یہ حدیث اگر ہم اپنے ذہن میں رکھیں تو حکیم الامت نے جو منقبت پیش کی ہے، حکیم الامت کو اس میں بِلا شبہ سیدنا امامِ عالی مقام علیہ السلام کو اس حدیث کی روشنی میں آپ علیہ السلام کی شخصیت کو سمجھایا گیا ہے۔ میں اس سے پہلے بھی مختلف مواقع پر اس نظم کی شرح کر چکا ہوں لیکن وقت کی مناسبت کے اعتبار سے ایک مرتبہ پھر کر رہا ہوں۔ یہ نظم در معنی حریت اسلامیہ و سر حادثہ کربلا ''اسرار و رموز'' میں موجود ہے۔

حریّتِ اسلامیہ کے کیا معنی ہیں اور اس حریّتِ اسلامیہ کا سِرّ یعنی اس کا راز حادثۂ کربلا میں، واقعہ کربلا میں کس طرح پوشیدہ ہے یعنی حریّتِ اسلامیہ کا راز واقعہِ کربلا ہے۔ یہ نظم کا عنوان ہے۔

اس میں حضرت علیہ الرحمہ نے پہلے پسِ منظر بیان کیا ہے۔ امام عالی مقام علیہ السلام کی شخصیت کو،

آپ علیہ السلام کی جدو جہد کو، آپ علیہ السلام کے صبر کو، آپ علیہ السلام کی تسلیم و رضا کو، آپ علیہ السلام کی سیرت کو سمجھنے کے لیے حکیم الامت نے ایک ماحول بنایا ہے۔ آج ہم اس ماحول پر بات کریں گے۔ اُس ماحول کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

ہر کہ پیمان با ہو الموجود بست
گردنش از بند ہر معبود رست

ہر وہ شخص جو ہوالموجود سے پیمان باندھ چکا ہو، بڑا ضروری جملہ ہے، 'ہوالموجود سے پیمان' ایک تو ہوالموجود ربِ جلیل نے خود پیمان باندھا ہے. عالمِ میثاق میں ہم سے عہد لئے ہیں۔ عالمِ مثال میں اپنا دیدار کرایا ہے، پیمان باندھے ہیں۔ ایک یہ تو اللہ کی طرف سے ہے، ایک بندے کی طرف سے ہے کہ وہ بندہ جو اللہ کو موجود سمجھے یعنی جو زندگی کی حقیقت پر نظر رکھے۔ زندگی کی حقیقت کہ دنیا میں جتنا کچھ ہے یہ فنا آشنا ہے اور دنیا میں جتنا کچھ ہے یہ اعتبار ہے، یہ امکان ہے، یہ مجاز ہے یہ کبھی بھی نہیں تھا۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارادے کا ظہور ہے۔ یہ کن کے بعد فیکون کا عمل ہے جو معنوی تراتیب میں مترتّب ہوتا رہا اور پھر اس نے مادہ میں بھی ظہور کیا۔

ان تمام اعتبارات و امکانات ومجازات میں محوری جو اعتبار ہے وہ اعتبارِ انسانی ہے۔ حضرتِ انسان جو اللہ کا خلیفہ ہے جس کو ربِ جلیل نے توفیقی اختیار سے نوازا ہے۔ اس کے وجود میں ہدایت، اس کے خارج میں ہدایت اور پھر اتمامِ حجّت رسالت و نبوّت کی صورت میں نزولِ صحائف و کتب کی صورت میں، اس پر اتمامِ حجّت، یہ انسان ان تمام اعتبارات و مجازات و امکانات یعنی مخلوقات میں محوری حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن یہ تمام کا تمام اعتبار ہے، کبھی یہ نہیں تھا۔ تو 'الموجود' صرف وہ ہے، 'ہوالموجود' وہ موجود ہے۔ اب وہ ہستی جو 'ہوالموجود' سے پیمان باندھ چکا ہے اور باقی چیزوں کو اعتبار و امکان سمجھتا ہے۔ وہ زندگی کا حقیقی شعور رکھتا ہے لہٰذا وہ کبھی شرک کا شکار نہیں ہوتا۔ کبھی اس پر خوف مسلط نہیں ہوتا۔ کبھی اُس پر غیر مسلط نہیں ہوتا چونکہ وہ غیر کی حقیقت کو سمجھتا ہے۔ 'گردنش از بندِ ہر معبود رست' وہ کسی اور کو معبود کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ اور کسی اور کے آگے اُس کی گردن نہیں جھک سکتی چونکہ وہ جانتا ہے کہ لا الہ الا اللہ کا مطلب

ہے لاموجودُ الا اللہ بہت ہی جاندار آغاز کیا ہے حضرتِ اقبال علیہ الرحمہ نے اپنی اس نظم کا اور اسلامی اعتقاد کے گہرے شعور کا ثبوت دیا ہے۔

مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است

یعنی مومن عشق سے ہے اور عشق مومن سے ہے۔ عشق کے لیے ہر ناممکن، ممکن ہو جاتا ہے۔

'مومن از عشق است' مومن عشقِ الٰہی سے عبارت ہے اور پھر مومن سے عشق الٰہی عبارت ہے۔ ایسا جو مومن ہے جو عشق سے عبارت ہو اور عشق اُس سے عبارت ہو، وہ اللہ سے قوت پکڑتا اور اللہ کا دین اُس سے محفوظ ہو۔ 'عشق را ناممکن ما ممکن است' اگر کوئی عشق یافتہ ہو تو اُس کے لیے کوئی چیز ناممکن نہیں ہے، اُس کے لئے ناممکن ممکن ہے۔

عقل سفاک است و اُو سفاک تر
پاک تر چالاک تر بیباک تر

'عقل سفاک ہے مگر عشق زیادہ سفاک ہے، زیادہ چالاک اور زیادہ بیباک ہے'

حکیم الامّت نے سفاک کو ذو معنی الفاظ میں استعمال کیا۔ سفاک کا ایک مطلب غالب بھی ہوتا ہے 'عقل سفاک است' عقل ایک حد تک غالب ہے لیکن جبر کے ساتھ Coercively 'اُو سفاک تر' اور عشق جو ہے وہ سفاک تر، اُس کو کمال کا غلبہ حاصل ہے، وہ عالمِ ناسوت میں بھی کارفرما ہے۔ مثال میں بھی، میثاق میں بھی ملکوت میں بھی، جبروت میں بھی۔ فیکون کے تمام مراحل میں عشق کا غلبہ ہے۔ عقل تو اُس کے سامنے ایک جزو ہے۔

'پاک تر چالاک تر بیباک تر' عشق عجب ہے۔ سب سے پہلے تو وہ پاک ہے۔ وہ عقل کی طرح نہیں ہے کہ عقل اگر ناراستی کی طرف آجائے، ایک تو عقلِ راست ہے، عقلِ راست عشق کی وزیر ہے لیکن ایک عقلِ ناراست ہے وہ عشق سے بغاوت کرتی ہے۔ وہ باغی ہے، وہ جو باغی عقل ہے اس کی سرشت ناپاکی ہے، حرص ہے، ہوس ہے، دغا ہے، منافقت ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور عشق کی خصوصیت کیا ہے، وہ پاک

ہے، وہ طیب ہے، اُس کے پاس رجس نہیں آ سکتا، رُجز نہیں آ سکتا۔ چالاک تر (با تدبیر ہے) بیباک تر (بے خوف ہے)

عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگان باز میدان عمل

یعنی عقل اسباب وعلل کے چکر میں پڑی رہتی ہے جبکہ عشق میدانِ عمل کا کھلاڑی ہے۔

'عقل در پیچاک اسباب وعلل' عقل ناراست۔ اسباب وعلل پر یقین رکھتی ہے، سبب ہیں، ذرائع ہیں، وسائل ہیں تو پھر سب کچھ کر رہے ہیں۔ 'عشق چوگان باز میدان عمل' عشق اسباب پر بھروسہ نہیں کرتا۔ عشق مسبب الاسباب سے تعلق رکھتا ہے اور میدانِ عمل میں سینہ سپر ہوتا ہے۔

عشق صید از زورِ بازو افگند
عقل مکار است و دامی میزند

عشق قوتِ بازو سے شکار کرتی ہے جبکہ عقل مکار ہے اور جال بچھاتی ہے۔

عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقین لاینفک است

عقل کا سرمایہ خوف اور شک ہے جبکہ عشق کے لیے عزم و یقین لازم وملزوم ہیں۔

عقل کا سرمایا بیم وشک ہے، گومگو کی کیفیت ہے، اضطرار ہے، اضطراب ہے، بے یقینی ہے، خلجان ہے۔ 'عقل راسرمایہ از بیم وشک است' عشق را عزم ویقین لاینفک است۔ عشق کا سرمایہ عزم ویقین ہے۔ 'لاینفک' وہ ٹوٹنے والا نہیں ہے، حالات اُس پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ انسان کا حوصلہ، عشق کا عزم حالات کا دھارا بدل دیتا ہے۔

آن کند تعمیر تا ویراں کند
این کند ویران کہ آباداں کند

عقل کی تعمیر میں ویرانی مضمر ہے اور عشق کی ویرانی میں بھی تعمیر چھپی ہوئی ہے۔

'وہ جو عقل ہے، وہ ویرانی پیدا کرتی ہے اور عشق آبادی پیدا کرتا ہے

عقل چوں باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہای او گراں

'عقل ہوا کی طرح پوری دنیا میں ارزاں (دستیاب) ہے جبکہ عشق کمیاب اور بیش قیمت ہے۔

عقل باد کی طرح یعنی ہوا کی طرح پورے جہاں میں دستیاب ہے جبکہ 'عشق کمیاب و بہای او گراں' عشق کم ہے، منفرد ہے، مخصوص ہے، خاص ہے، خاص الخاص ہے اور اُس کی بہا بہت زیادہ ہے۔

عقل محکم از اساس چون و چند
عشق عریاں از لباس چون و چند

عقل کیوں اور کتنا کی بنیاد پر محکم ہوتی ہے جبکہ عشق اس لباس سے بے پرواہ ہے۔

'عقل محکم از اساس چون و چند' عقل دلائل سے، تعبیر سے، تاویل سے، مجادلہ سے، چون و چند سے، گومگو سے، یہ ہونا چاہئے وہ نہیں ہونا چاہئے۔ عقل کی بنیاد بس اس اضطراب پر ہے۔ 'عشق عریاں از لباس چون و چند' عشق چون و چند سے بے نیاز ہے۔ وہ مسبب الاسباب سے تمسّک رکھتا ہے۔

عقل می گوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحانِ خویش کن

عقل کہتی ہے کہ اپنے مفاد کو پیش نظر رکھو۔ عشق کہتا ہے کہ خود کو امتحان میں ڈالو۔

عقل کا کہنا ہے کہ 'خود را پیش کُن' کہ اپنے آپ کو پیش کرو، اور اپنی پیشگی کو مضبوط بناؤ۔ 'عشق گوید امتحان خویش کن' عشق کہتا ہے نہیں اپنا امتحان لو کہ عشق سے بامراد ہو کہ نہیں ہو۔

عقل با غیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است و با خود در حساب

عقل فائدے نقصان کا حساب کتاب کر کے دوسروں سے آشنائی پیدا کرتی ہے اور عشق اللہ کے فضل پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنا حساب کتاب خود کرتا ہے۔

'عقل با غیر آشنا از اکتساب' عقل اکتساب کے راستے میں، دریافتوں کے راستے میں، اپنی ڈسکوری میں، ایجاد میں کبھی اصل حقیقت سے منحرف بھی ہو جاتی ہے، اگر عقلِ راست نہ ہوتو۔ 'عشق از فضل است و با خود در حساب'۔ عشق اللہ کا فضل ہے اور اللہ ذوالفضل العظیم ہے اور عشق اپنا احتساب کرتا ہے جو نوالہ میسّر ہے عشق اُس کو بھی دیکھتا ہے کہ حلال ہے کہ نہیں ہے۔ جو منصب میسّر ہے اُس کو بھی دیکھتا ہے کہ جو منصب کے تقاضے ہیں وہ پورے ہو رہے ہیں کہ نہیں۔

عقل گوید شاد شو آباد شو
عشق گوید بندہ شو آزاد شو

عقل کہتی ہے کہ خوش رہو اور آباد رہو۔ عشق کہتا ہے کہ اللہ کی غلامی اختیار کرو اور آزاد ہو جاؤ۔

عقل کا فلسفہ یہ ہے کہ دنیا کی خوشی حاصل کرو اور یہی بس انتہا ہے 'عشق گوید بندہ شو آزاد شو' عشق کا فرمان یہ ہے کہ اللہ کے بندے ہو جاؤ اور حریّت اختیار کرو۔

عشق را آرام جان حریت است
ناقہ اش را ساربان حریت است

عشق کے لئے آزادی میں روح کا سکون ہے۔ اُس کے ناقہ کی ساربان آزادی ہے۔

'عشق را آرام جان حریت است' عشق آرامِ جانِ حریت ہے۔ اللہ کی عبدیّت اور عبودیّت۔ 'ناقہ اش را ساربان حریت است' یہ قافلے کا ساربان ہے۔ عشق قافلہ اسلام کا ساربان ہے اور اس کی متاع حریت ہے۔ اب یہ عشق کی جو سلطنت ہے اس کے شہنشاہِ اعظم امام عالی مقام علیہ السلام ہیں۔ ان کی منقبت شروع ہوتی ہے۔

(جاری ہے)

جس کا لہو تفسیر قرآں ہو گیا

آغا شورش کاشمیری

کون دردِ ملت بیضا کا درماں ہو گیا
کس کا سر نیزے پہ لٹکا کون قرباں ہو گیا

کس کے آنسو چہرۂ نو روز کی رونق بنے
کس کا خوں اسلام کی صبح درخشاں ہو گیا

کس کی شہ رگ پر شمر کا ہاتھ اٹھا بے دریغ
کون تھا جس کا لہو تفسیر قرآں ہو گیا

کس کی نعش خونچکاں تشہیر کو لائی گئی
کس کا پرچم چادرِ گورِ غریباں ہو گیا

بے کجاوہ اونٹ تھے اور مصطفیٰ کی بیٹیاں
کس کا گھر موصل کے بازاروں میں عریاں ہو گیا

کون تھا مرگِ ملوکیت کی صبحِ اولیں
کون تھا جو نالۂ شامِ غریباں ہو گیا

کون تڑپایا گیا کرب و بلا کی خاک پر
کس کا ماتم، ماتمِ تاریخِ انساں ہو گیا

دیکھ چشمِ خوں فشاں! قربانیٔ شبیر دیکھ
کربلا میں فاطمہ کے لال کی تقدیر دیکھ

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

سید محمد انور شاہ قادری

(ریٹائرڈ) لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳ پشاور شہر

حضرت امام عالی مقام سیّدنا امام حسین علیہ السلام کے یہ فرزند ارجمند بروز جمعرات ۵ شعبان کو پیدا ہوئے[۱]۔ آپ کا نام علی کنیت ابو محمد اور ابوالحسن بھی ہے۔ جبکہ سجاد اور زین العابدین القابات ہیں جو عبادت وریاضت اور کثرتِ سجود کی بدولت آپ کو ملے۔ آپ کو زیادہ شہرت آخری لقب 'زین العابدین' سے ملی۔ آپ آئمہ اہل بیت اطہار میں سے چوتھے امام ہیں۔[۲]

آپ کربلا میں اپنے والد ماجد کے ساتھ موجود تھے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ساڑھے بائیس سال تھی اور آپ شدید بیمار تھے جس کے باعث آپ کو والد صاحب کی طرف سے جنگ کی اجازت نہ ملی۔ یہ بیماری دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی حفاظت کا ذریعہ بنی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یزیدیوں سے بچا لیا۔

تبلیغی جماعت کے معروف امیر اور سکالر جناب طارق جمیل صاحب لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے انہی اکیلے فرد کے ذریعے حضرت امام حسین علیہ السلام کی نسل کو پوری روئے زمین میں قیامت تک کے لئے پھیلا دیا اور اپنی رحمت سے اس قدر پھیلایا کہ اب سادات کی ان عظیم ہستیوں کے مبارک وجود سے شاید ہی کوئی اسلامی خطہ محروم ہو اور ان نیک بخت حضرات کا اب شمار بھی دشوار ہے۔''[۳]

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے واقعہ کربلا کے بعد مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور علم وعرفان کی ترویج واشاعت میں ساری زندگی بسر فرمائی۔ آپ بہت بڑے عالم فاضل، قاری، حافظ قرآن اور محدث

---

[۱] مولانا طارق جمیل، گلدستہ اہل بیت، جامعۃ الحسنین پاکستان، صفحہ ۳۷۳

[۲] غلام رسول مفتی، امام زین العابدین علیہ السلام، دارالعلوم قادریہ جیلانیہ لندن برطانیہ صفحہ ۵۴

[۳] طارق جمیل مولانا، گلدستہ اہل بیت مذکورہ بالا صفحہ ۳۷۶،۳۷۵

بے بدل تھے۔ آپ اپنے والد ماجد حضرت امام حسین علیہ السلام، چچا حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، دادا حضرت امام الاولیاء سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ، اُم المومنین حضرت اُم سلمہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور آپ سے روایت کرنے والوں میں طاؤس بن کیسان، ابوسلمہ بن عبدالرحمن، عاصم بن عمر بن قتادہ، عاصم بن عبداللہ، قعقاع بن حکیم، زید بن اسلم، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، امام باقر علیہ السلام اور حضرت زید علیہ السلام شامل ہیں۔ جبکہ محمد بن مسلم بن شہاب زہری آپ کے خاص شاگرد تھے جو محدثین میں بہت اہم مقام رکھتے ہیں[1]۔ اور یہ ابن شہاب زہری وہ جلیل القدر محدث ہیں جنہوں نے سب سے پہلے علم حدیث کی تدوین فرمائی۔ آپ نے یہ کام پہلی صدی ہجری کے آخر میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے شروع کیا۔ امام مالک اور امام اوزاعی بھی ابن شہاب زہری کے شاگرد تھے اور سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ

''ابن شہاب زہری سے زیادہ اچھی حدیث کوئی نہیں بیان کرسکتا تھا''۔[2]

اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

''حدیث میں اچھی سند محمد بن مسلم بن شہاب زہری کی ہے''۔[3]

جبکہ حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''زہری کی سند جو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے ہے وہ تمام سندوں سے صحیح ہے''۔[4]

آنجناب علیہ السلام بڑے ہی عابد، زاہد، متقی، متواضع، مہمان نواز، منکسر المزاج حلیم الطبع، ہمدرد، مشفق، صابر، سخی اور درگزر کرنے والے تھے۔ روزانہ ایک ہزار رکعت نفل ادا کرتے[5]۔ اکثر دن کو روزہ

---

[1] غلام رسول مفتی، امام زین العابدین علیہ السلام مذکورہ بالا، صفحہ ۵۸

[2] ایضاً صفحہ ۶۰

[3] ایضاً صفحہ ۶۰

[4] ایضاً صفحہ ۶۰

[5] طارق جمیل مولانا، گلدستہ اہل بیت مذکورہ بالا بحوالہ البدایہ والنہایہ، صفحہ ۳۸۷

رکھتے، ساری رات عبادت و ریاضت اور گریہ وزاری میں گزار دیتے۔ آپ کی مبارک آنکھوں سے ہر وقت آنسو جاری رہتے۔ کسی نے آپ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کی جود و سخا لاجواب تھی۔ آپ نے پچاس ہزار غلام خرید کر آزاد کئے۔ ان کی تعلیم وتربیت فرمائی اور انہیں اتنا مال و دولت بھی عطا فرمایا کہ وہ عزت سے زندگی گزار سکیں[1]۔ آپ رات کے وقت مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت کرتے اور گم نامی کے عالم میں غرباء و مساکین کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ آپ کے در اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں لوٹا، دو مرتبہ گھر کا سارا سامان راہ خدا میں قربان فرمایا[2]۔ اور ساری زندگی دنیا ومافیہا سے الگ تھلگ رہتے ہوئے گوشہ نشینی میں گزاری۔

یزید نے جو لشکر بھیجا تھا اس نے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی شریف کی بے حرمتی اور اہل مدینہ منورہ کی خوں ریزی اور عزت و ناموس کو لوٹنے کے بعد مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ اسے یزید کے مرنے کی اطلاع ملی تو اس لشکر کا سپہ سالار حصین بن نمیر مدینہ منورہ آیا اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہا

''میں آپ کو تمام دنیائے اسلام کی خلافت وحکومت سپرد کرتا ہوں اور آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ تو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے انکار کر دیا اور فرمایا مجھے دنیا کی حکومت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے تم کسی اور کو تلاش کر لو۔'' [3]

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ وقت عبدالملک بن مروان کا بیٹا ہشام بن عبدالملک شام سے حج کے لئے آیا۔ امراء ووزراء کا ایک وفد بھی اس کے ساتھ تھا۔ بیت اللہ شریف کے طواف کے دوران جب وہ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھا تو کثرت ازدحام کی وجہ سے ناکام رہا اور پیچھے ہٹ کر ہجوم کی کمی کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے تو سب لوگ ادب سے پیچھے ہٹ گئے اور حجر اسود والی جگہ

---

[1] غلام رسول مفتی، امام زین العابدین علیہ السلام۔ مذکورہ بالا صفحہ ۲۴۲

[2] ۔ طارق جمیل مولانا، مذکورہ بالا، صفحہ ۳۹۰

[3] غلام رسول مفتی، امام زین العابدین علیہ السلام مذکورہ بالا، صفحہ ۲۰۵

خالی کر دی۔ تو ایک شامی نے ہشام سے پوچھا یہ کون ہیں جن کا لوگ اس قدر احترام کرتے ہیں؟ ہشام نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا میں نہیں جانتا۔ پاس ہی مشہور شاعر فرزدق کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا میں انہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور فی البدیہہ آپ کی شان میں ایک طویل قصیدہ کہہ ڈالا جو اٹھائیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے ابتدائی دو شعر بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں:

هٰذَا الَّذِی تَعْرِفُ الْبَطْحآَ وَطَائَتَهُ
وَالْبَیْتُ یَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ
مَنْ یَّعْرِفُ اللّٰهُ یَعْرِفُ اَوْلِیَّتَهُ
وَالدِّیْنُ مِنْ بَیْتَ هٰذَا لَهُ الْاُمَمَ

ترجمہ: یہ وہ ہستی ہے جنہیں بطحا یعنی مکہ مکرمہ کی وادیاں اور پہاڑ بھی جانتے ہیں۔ انہیں بیت اللہ شریف سارا حرم شریف یعنی منیٰ مزدلفہ اور عرفات بھی جانتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے تو یقیناً وہ انہیں بھی جانتا ہے کیونکہ انہی کے گھر سے تو ساری دنیا کو دین اسلام اور ہدایت ملی ہے۔

اس قصیدے کا ذکر بڑے بڑے محدثین اور صوفیائے کرام نے اپنی کتابوں میں کیا ہے۔[۱]

ہشام یہ قصیدہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا اور غصے میں آکر اسی وقت فرزدق کو قید کر دیا۔ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو آپ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کی خدمت میں روانہ فرمائے۔ فرزدق نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا اور کہا میں نے یہ قصیدہ کسی لالچ میں نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے کہا ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے دوبارہ رقم ان کے پاس بھیجی اور فرمایا کہ ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے اور اللہ تعالیٰ آپ کی نیک نیتی سے بخوبی آگاہ ہے لہٰذا اس کی بارگاہ سے الگ اجر آپ کو دیا جائے گا۔[۲]

---

[۱] ایضاً صفحہ ۲۳۷ حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

[۲] ایضاً صفحہ ۲۳۸

مولانا طارق جمیل لکھتے ہیں ''اس وقت کے بارہ ہزار درہم آج چوبیس لاکھ روپے بنتے ہیں''۔[۱]

جب ہشام کے والد عبدالملک بن مروان کو اس قصیدے کا علم ہوا تو اس نے فرزدق سے کہا کہ ''کیا تم رافضی ہو'' تو فرزدق نے کہا ''اگر آلِ رسول ﷺ سے محبت رافضیت ہے تو پھر میں رافضی ہوں'' یہ جواب سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ اور پھر کہنے لگا کہ ''ایک ایسا ہی قصیدہ میری تعریف میں بھی لکھو'' تو فرزدق نے اسے کہا ''حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جیسا باپ اور ان کی ماں جیسی ماں لے آؤ تو پھر میں تمہاری شان میں بھی ایسا ہی قصیدہ کہوں گا۔ کیا مجھ سے ایسا مطالبہ کرتے ہوئے تمہیں اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں آتی، اگر تم میرا نام وظائف والے رجسٹر سے مٹانا چاہتے ہو تو بیشک مٹا دو''۔ اس پر عبدالملک بن مروان نے واقعی اس کے نام کا وظیفہ ختم کر دیا۔[۲]

جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو اس صورت حال کا پتہ چلا تو آپ نے فرزدق کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا ''اس وقت یہ جو بھی مال و دولت میرے پاس ہے یہ سب لے لو اور یہ سب کچھ دے کر بھی میں تمہارا بدلہ نہیں اتار سکتا۔ فرزدق نے عرض کی اے ابن رسول ﷺ! مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے جو کچھ عطا ہوگا وہ میرے لیے کافی ہے اور مجھے عبدالملک کی ساری بادشاہت سے زیادہ عزیز ہے۔ تو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو سالانہ کتنا وظیفہ ملا کرتا تھا تو اس نے کہا بارہ ہزار درہم۔ تو امام پاک نے اسے چار سال کا اکٹھا اڑتالیس ہزار درہم اسی وقت عطا فرما دیئے۔ فرزدق نے انکار کیا لیکن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے اصرار پر یہ رقم وصول کر لی۔[۳]

عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو گرفتار کر لیا اور ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر مدینہ منورہ سے باہر ایک خیمہ میں قید کر دیا اور اسی حالت میں آپ کو شام بھیجنے کا ارادہ تھا۔ جب آپ کے شاگرد ابن شہاب زہری کو علم ہوا تو وہ عبدالملک بن مروان کے پاس گیا اور اسے سمجھایا کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ عداوت نہ کرو۔ انہیں حکومت کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے حجاج بن یوسف کو لکھا کہ بنو ہاشم کو نہ ستاؤ۔

---

[۱] طارق جمیل مولانا، گلدستہ اہل بیت مذکورہ بالا، صفحہ ۳۸۲

[۲] ایضاً صفحہ ۳۸۳، ۳۸۴

[۳] ایضاً صفحہ ۳۸۳، ۳۸۴

ابوسفیان کی اولاد نے انہیں ستایا تو وہ زیادہ دیر تک دنیا میں نہ رہے۔[1]

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام صبر و تحمل کے پیکر تھے اور عفو و درگزر سے کام لینا آپ کا شعار زندگی تھا۔ تاریخ اسلام میں آپ کے اس خلق عظیم کے متعدد واقعات موجود ہیں۔ واقعہ کربلا کے بعد اہل مدینہ نے جب یزید کے خلاف بغاوت کردی تو مروان بن حکم اسکی بیوی بچے اور دیگر بنوامیہ اہل مدینہ کے خوف سے بھاگ کر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پناہ کی درخواست کی تو آپ نے اپنے نانا جان پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی یاد تازہ فرمائی کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دشمنوں کو معاف فرمادیا اور سب سے بڑے دشمن ابوسفیان کے بارے میں فرمایا کہ جو اس کے گھر میں داخل ہوجائے تو وہ بھی معاف ہے۔

اس روز اہل مدینہ کے غیظ وغضب سے ان لوگوں کو بچانے والے امام زین العابدین علیہ السلام ہی تھے۔[2] سنان بن انس، جو سیدنا امام حسین علیہ السلام کے قاتلین میں سے تھا، واقعہ کربلا کے بعد رب تعالیٰ کی طرف سے اس پر ایسی غربت و افلاس مسلط کی گئی کہ دانے دانے کو ترسنے لگا۔ در در بھیک مانگا کرتا اور لوگ اس سے اس قدر شدید نفرت کرتے تھے کہ کوئی بھی اس بدبخت کو بھیک نہ دیتا اور اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیتا۔ ایک دن ناداری و بے بسی کے عالم میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس آیا تو آپ نے نہایت ہی مشفقانہ سلوک فرمایا۔ تین دن تک اسے مہمان رکھا اور اس کی بڑی خاطر تواضع فرمائی۔ جب وہ رخصت لے کر جانے لگا تو آپ نے اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی بھی اسے عنایت فرمائی۔ وہ ندامت سے کہنے لگا حضور شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں تو آپ نے فوراً فرمایا کیا تو سنان بن انس نہیں ہے؟ تو وہ بول اٹھا جی حضور میں ہی وہ بدبخت ہوں تو آپ نے فرمایا وہ تمہارا کردار تھا اور یہ ہمارا اخلاق ہے۔ ہم اہل بیت اپنے دشمن سے انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے اسے معاف کردیتے ہیں۔[3]

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے امت محمد یہ بے پناہ محبت کرتی تھی۔ ساری دنیا سے

---

[1] غلام رسول مفتی، امام زین العابدین علیہ السلام مذکورہ بالا، صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳

[2] ایضاً صفحہ ۲۰۴، ۲۰۵

[3] ایضاً، صفحہ ۲۱۹، ۲۲۰

علماومشائخ فقراء درویش اور عائمہ مسلمین حج کے موقع پر جب مدینہ منورہ آتے تو آپ کی خدمت اقدس میں ضرور حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے۔ آپ کی اس عالمگیر شہرت ومقبولیت سے ہر وقت حکمران لرزہ براندام رہتے کہ کہیں آپ اس عوامی قوت سے حکومت پر قبضہ نہ کرلیں۔ آئمہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی یہ ہر دل عزیزی انہیں ہر وقت بے چین رکھتی تھی اور انہیں راستے سے ہٹانے کے لیے وہ ان مقدس اور پاک طینت ہستیوں کے خلاف سازشیں بروئے کار لاتے رہتے تھے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بھی اپنے عظیم المرتبت چچا جان حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی طرح شہادتِ خفی سے سرفراز ہوئے۔ آپ کو زہر دیا گیا جس سے ۹۴ ہجری میں آپ نے اس جہان فانی سے نقل مکانی فرمائی اور جنت البقیع میں اپنے اس تایا جان کے پہلو میں آرام فرما ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

آپ کی نسل چھ صاحبزادوں سے آگے چلی جن میں امام پنجم حضرت ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام کے علاوہ حضرت زید شہید، عبداللہ الباہر، عمر اشرف، حسین اصغر اور علی اصغر کے نام شامل ہیں۔ ان کی اولاد حجاز مقدس، مصر، شام، عراق، خراسان، افغانستان، کشمیر، پاکستان اور ہندوستان میں پائی جاتی ہے۔[1]

امام زین العابدین علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سیّدنا زید علیہ السلام بہت بڑے عالم، فاضل، قاری، مفسر، محدث اور فقیہ تھے۔ آپ نے بنوامیہ کے ظلم وستم کے خلاف نہایت ہی جرات و بہادری کے ساتھ آواز بلند فرمائی تو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ جاری فرمایا کہ حضرت زید کا جہاد کے لیے نکلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوہ بدر کے لیے نکلنے کے مشابہ ہے[2]۔ کوفہ کے چالیس ہزار آدمیوں نے آپ سے بیعت جہاد کر لی مگر عین موقع پر اسی طرح غداری کی جس طرح کہ آپ کے دادا جان حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ غداری کر چکے تھے۔ بہر حال آپ چند مخلص اور بہادر رفقاء کے ہمراہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف نکلے اور نہایت بے جگری سے مقابلہ کرتے ہوئے ۲ صفر ۱۲۲ھ کو جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت سیدنا یحییٰ بن زید علیہ السلام نے بنوامیہ کے خلاف جہاد جاری رکھا اور آپ خراسان میں شہید ہوئے۔

---

[1] ایضاً صفحہ ۲۶۴، ۲۶۵

[2] طارق جمیل مولانا، گلدستہ اہل بیت مذکورہ بالا، صفحہ ۴۳۸

حضرت امام سیدنا حسن المثنّٰی علیہ السلام

سیّدہ اُم فروہ گیلانی

حضرت سیدنا امام حسن المثنّٰی علیہ السلام ۶۶۱ عیسوی کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نوجوانانِ جنت کے سردار امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام کے فرزند اور مولائے کائنات حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے پوتے تھے۔ حضرت حسن المثنّٰی کی والدہ کریمہ کا نام خولہ بنت منظور فزاری رضی اللہ عنہا تھا۔

سیدنا حسن المثنّٰی علیہ السلام امام علی بن حسین (امام زین العابدین) علیہ السلام کے ہم عمر ساتھی بھی تھے۔ آپ علیہ السلام کی شادی حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی سے ہوئی جن کا نام فاطمہ صغریٰ سلام اللہ علیہا تھا۔ سیدنا حسن المثنّٰی علیہ السلام نے جب نکاح کا ارادہ کیا تو اپنے چچا حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نکاح کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ جواباً امام عالی مقام نے آپ کے لیے اپنی بیٹی فاطمہ صغریٰ کو منتخب فرمایا۔ حضرت فاطمہ صغریٰ آپ کی بڑی صاحبزادی تھیں اور عقد کرنے سے پہلے امام عالی مقام علیہ السلام نے حضرت حسن المثنّٰی سے فرمایا کہ میں نے آپ کے لیے وہ فاطمہ صغریٰ منتخب کی ہیں جو سیدۃ النساء العالمین جگر گوشہ رسول سیدہ فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کا آئینہ ہیں۔ سیدہ فاطمہ بنت حسین علیہ السلام سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا سے سیرت، صورت اور کردار سب ہی میں بہت مشابہت رکھتی تھیں۔

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ حضرت حسن المثنّٰی علیہ السلام اپنی اہلیہ اور بیٹوں کے ساتھ کربلا کے معرکہ حق و باطل میں شریک تھے اور شدید زخمی ہوئے۔

سیدنا حسن المثنّٰی علیہ السلام کو جب بارگاہِ امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام سے میدان جنگ میں جانے کی اجازت ملی تو آپ نے اپنے عمِ معظم سیدنا امام حسین علیہ السلام کے سامنے کربلا میں ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ آپ نے لشکر اشقیاء سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ

''ہم لڑنے نہیں آئے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بیٹیوں اور بچوں کے خیمے دیکھ سکتے ہیں۔ جو ایسا

کرنے (یعنی لڑنے) کا ارادہ رکھتا ہے وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہیں لایا کرتا۔''

اس کے جواب میں بوکھلاہٹ کے شکار عمرو ابن سعد نے سترہ جنگجو بھیجے جنہوں نے ایک ساتھ حملہ کر دیا۔ طبری اور تاریخ دمشق دونوں میں منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان سترہ کے سترہ اشقیاء و ملاعنہ کو واصل جہنم کر دیا۔ اس کے بعد یزیدی لشکر نے چاروں طرف سے پیش قدمی کی اور آپ پر حملہ آور ہوئے۔ سیدنا امام حسن المثنّیٰ علیہ السلام کربلا کی زمین پر گر پڑے۔ آپ کو اٹھارہ سے زیادہ زخم آئے، دشمنوں نے آپ کو مقتول سمجھ کر چھوڑ دیا۔ امام حسین علیہ السلام آپ کے جسد مبارک کو خیمے میں لے آئے۔

گیارہ محرم الحرام کو جب یزید کا لشکر شہدائے کربلا کے سروں کو جدا کر رہا تھا تو دیکھا کہ حضرت سیدنا امام حسن المثنّیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ ابی حسان اسماء بن خارجہ فزاری نے کہا کہ اس کی والدہ میرے قبیلہ سے ہیں، میں تمہیں ان کا سر قلم کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ چونکہ ہماری لڑائی حسین علیہ السلام سے تھی جو کہ اب ختم ہوگئی ہے۔ عمرو ابن سعد اس کا سر قلم کرنے سے رُک گیا لیکن معاملہ عبیداللہ بن زیاد ابن سمیہ کے پاس لے گیا۔ ابن خارجہ فزاری حضرت امام سیدنا حسن المثنّیٰ علیہ السلام کو اونٹ پر بٹھا کر کوفہ لے گئے۔ سیدنا امام حسن المثنّیٰ علیہ السلام نے چار دن کے بعد آنکھ کھولی اور پوچھا کہ میرے امام، امام حسین علیہ السلام کہاں ہیں؟ ابی حسان جواب دینے سے گریزاں تھے لیکن آپ علیہ السلام کے مسلسل اصرار پر انہوں نے آپ کو بتایا کہ امام عالی مقام علیہ السلام شہید ہو گئے ہیں اور ان کا سر نیزے پر ہے۔ یہ سن کر امام حسن المثنّیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آ کر پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ عبیداللہ ابن زیاد کے دربار میں! یہ سن کر حضرت حسن المثنّیٰ علیہ السلام پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب پھر ہوش آیا تو پوچھا کہ جب عباس علیہ السلام موجود تھے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ابی حسان نے کہا کہ یزیدی افواج نے ان کے مقدس بازوؤں کو بھی کاٹ دیا تھا۔

سیدنا امام حسن المثنّیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے، اسماء بن خارجہ کے گھر سے نکلے اور کوفہ سے مسجد حنانہ تشریف لے گئے۔ اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں نے بارہ محرم کی رات اور صبح قیام کیا تھا۔ اگلے دن حضرت حسن المثنّیٰ علیہ السلام نجف اشرف میں مولا علی علیہ السلام کے مزار پر تشریف لے گئے،

روتے ہوئے اپنے دادا علیہ السلام کو بتایا کہ کیا ہوا تھا۔ آپ نجف میں چار دن رہے اور وہاں سے مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ وہاں آپ اسیران شام کی رہائی اور تشریف آوری کا انتظار کرتے رہے۔ یاد رہے کہ حضرت حسن المثنّٰی علیہ السلام کے ایک بیٹے علیہ السلام السلام بھی اپنے چچا حضرت قاسم علیہ السلام کے ساتھ اور امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادگان کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔

کچھ دیگر روایات میں آپ کی عمر ۱۳ برس بھی لکھی گئی ہے اور آپ کا ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہ جانے کا تذکرہ بھی موجود ہے مگر امام طبری اور ابن طاؤس رحمہا اللہ کی روایات کے مطابق جن کی سند ابومخنف اور احمد بن ابراہیم حسنی سے موثوق ہے، حضرت حسن مثنیٰ علیہ السلام کی معرکہ کربلا میں شرکت کے وقت عمر مبارک ۲۰ سال تھی، آپ نے نہایت شجاعت سے جہاد وقتال کیا اور شدید زخمی ہوئے۔ آپ کے ماموں ابن خارجہ فزاری نے آپ علیہ السلام کو کوفہ میں زیر علاج رکھا، جانبر ہوئے تو مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔

چوتھی و پانچویں صدی ہجری کے معروف شیعہ متکلم وفقیہ شیخ مفید کی الارشاد میں بھی یہ ہی رائے ہے کہ حضرت سیدنا امام حسن المثنّٰی علیہ السلام نے کربلا میں شرکت کی اور شدید زخمی ہو کر بچ جانے پر ابن خارجہ فزاری آپ کو کوفہ لے گئے اور آپ کو زیر علاج رکھا۔

اٹھارہ سے زیادہ گہرے زخم جسم اطہر پر لگنے کے بعد بھی امام حسن علیہ السلام کا نسب محفوظ رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن المثنّٰی علیہ السلام کو کارزار کربلا کا غازی بنایا۔ زیادہ تر حسنی اور طباطبائی سادات کرام آپ کی نسل مبارک سے ہی ہیں۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب والد کی جانب سے حضرت سیدنا حسن المثنّٰی علیہ السلام سے جاملتا ہے۔

سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام دمشق (شام) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لٹے پٹے خاندان کے ساتھ جب واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو دونوں چچا زاد بھائیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو دونوں ہی گر پڑے ایک دوسرے کے گلے لگے اور بیہوش ہو گئے۔ سیدہ فاطمہ صغریٰ علیہا السلام نے اپنے بیٹے عبداللہ علیہ السلام کا سر مبارک باپ کو دیا اور حضرت سیدنا امام حسن المثنّٰی علیہ السلام سے فرمایا، ”میں تمہارے بیٹے

کو تم سے ملوانے لائی ہوں۔'' آپ علیہ السلام رونے لگے اور اپنے بیٹے کے مقدس سر کو چومتے ہوئے فرمایا ''تم مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہو کہ شہادت پائی۔''

آپ کی اولاد امجاد میں حضرت عبداللہ محض، ابراہیم، عمران، حسن مثلث، زینب اور کلثوم علیہم السلام شامل ہیں۔ ان میں سے آپ کے بیٹوں عبداللہ محض، ابراہیم اور حسن مثلث تینوں ہی نے شقی عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور کی قید میں انتقال فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وصیت کے مطابق امام حسن علیہ السلام کے بعد حضرت سیدنا امام حسن المثنیٰ علیہ السلام امام علی علیہ السلام کی طرف سے دی گئی تبرکات کے متولی تھے اور یوں آپ سخاوت بنو ہاشم کا حق ادا کرتے رہے۔

حضرت حسن المثنیٰ علیہ السلام نے اپنے والد امام حسن المجتبیٰ علیہ السلام اور دیگر راویوں سے احادیث نقل کی ہیں۔ امام حسن المثنیٰ علیہ السلام نے حجاج ملعون کے ظلم و شقاوت کے خلاف بھی اعلائے کلمۃ الحق کا عزیمت افروز اور استقامت انگیز مظاہرہ فرمایا۔

بعض روایات کے مطابق امام حسن المثنیٰ نے پینتیس یا سینتیس سال کی عمر مبارک میں انتقال فرمایا تاہم قرین قیاس یہ ہے کہ ولید بن عبدالملک بن مروان نے ۷۱۵ عیسوی میں حضرت حسن المثنیٰ علیہ السلام کو زہر دے کر قتل کروادیا، اس وقت آپ کی عمر چھیاسٹھ برس تھی۔ حضرت سیدنا امام حسن المثنیٰ علیہ السلام کے جسد خاکی کو مدینہ منتقل کیا گیا اور آپ کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔ تاہم کچھ روایات کے مطابق آپ کا مرقد مبارک ینبع النخل (بحر احمر کے ساحل پر واقع ایک خوبصورت مقام) میں واقع ہے۔

حوالہ جات

۱: الامامہ والسیاسہ از ابن قتیبہ دینوری
۲: تہذیب التہذیب از امام ابن حجر عسقلانی
۳: تاریخ الامم والملوک، جلد ۵، از ابوجعفر محمد بن جریر الطبری
۴: المودت از علامہ زید گل خٹک

استفتاء مع الجواب

مفتی خلیل الرحمن قادری گلوزئی رحمۃ اللہ علیہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ ان مسائل کے:

(۱) ایامِ محرم میں ذکرِ امام حسین علیہ السلام ودیگر اہل بیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ڈھائے جانے والے مظالم کا ذکر کرنا اور حاضرین کا رونا از روئے شریعت کیا حکم رکھتا ہے؟

(۲): عاشورا (دس محرم الحرام) کے دن روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

(۳): ایصالِ ثواب کیلئے دودھ، شربت، پانی وغیرہ کی سبیل لگانا کیسا ہے؟

مہربانی فرما کر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات شریعتِ اسلامی کی روشنی میں ارقام فرماویں اور وضاحت سے جوابات تحریر فرما کر مشکور فرماویں---بینوا وتوجروا۔

المستفتی: غلام دستگیر، بیرونِ گنج گیٹ پشاور۔

الجواب سوالِ اوّل

یہ بات اظہر من الشّمس ہے اور ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ اہل بیت اطہار علیہم السلام سے محبت درحقیقت سیدِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت مطلوب شرعی ہے کیونکہ جس دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ ہو تو اس کیلئے رضائے الٰہی کا حصول ناممکن ہے اور نہ وہ کامل مومن ہو سکتا ہے۔

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اور اس بارے میں رب ذوالجلال کا ارشاد ہے

قُلْ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى (الشوریٰ: ۲۳)

ترجمہ: آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمائیں میں نہیں مانگتا اس دعوتِ حق پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے۔

اس آیت کی وضاحت "تفسیر روح البیان" میں اس طرح ہے:

''مودۃ سے مراد محبتِ رسول ﷺ ہے اور قربیٰ سے مراد اہل بیت علیہم السلام اور دیگر قرابت دار ہیں۔'' (تفسیر روح البیان، جلد ۸، صفحہ ۳۱۰)۔

تفسیر ''ضیاء القرآن'' میں ہے:

''حضور ﷺ کے جملہ قرابت داروں خاندانِ بنو ہاشم خصوصاً اہل بیت علیہم السلام کی محبت ان کا ادب اور احترام عین ایمان بلکہ جانِ ایمان ہے۔ جس کے دل میں اہل بیت علیہم السلام کیلئے محبت نہیں وہ یوں سمجھے کہ اس کی شمع ایمان بجھی ہوئی ہے اور وہ منافقت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ جتنی کسی کی قرابت حضور ﷺ سے زیادہ ہوگی اتنی ہی اس کی محبت احترام زیادہ مطلوب ہوگا۔ ایک نہیں صدہا ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں اہل بیت علیہم السلام سے محبت کرنے اور ان کا ادب ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

بیشک اہل بیت علیہم السلام کی محبت ہمارا ایمان ہے لیکن یہ حضور ﷺ کی رسالت کا اجر نہیں بلکہ یہ شجر ایمان کا ثمر ہے۔ یہ اس گل کی مہک ہے، یہ اس خورشید کی چمک ہے، جہاں ایمان ہوگا وہاں حبِ آل مصطفیٰ ﷺ ضرور ہوگا۔ یہ گرہ اب تک نہ کھلی کہ بعض لوگوں کے نزدیک حبِ آل مصطفی علیہ اطیب التحیۃ والثناء کے لیے بعض اصحاب حبیب کبریا کی شرط کہاں سے ماخوذ ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے اہل بیت علیہم السلام کی محبت کا اگر حکم دیا ہے تو اپنے صحابہ کرام کے احترام واکرام کی بھی تاکید فرمائی ہے۔

ایک حدیث شریف میں اہل بیت کے متعلق فرمایا مثل اھل بیتی کمثل سفینۃ نوح - الی آخرہ یعنی میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ڈوب گیا۔ تو دوسرا ارشاد گرامی یہ بھی ہے اصحابی کالنجوم - الی آخرہ (میرے صحابہ درخشاں ستاروں کی طرح ہیں)۔

بحمدہ تعالیٰ یہ شرف اہل سنت ہی کو حاصل ہے کہ ہم اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہیں اور ہماری نگاہیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کی جگمگاتی ہوئی روشنی پر مرکوز ہیں۔ ہم زندگی

کے سمندروں کو آزمائشوں اور تکالیف کی کالی رات میں عبور کر رہے ہیں جو اس کشتی میں سوار نہ ہوا وہ غرق ہو گیا اور جس نے ان روشن ستاروں سے ہدایت حاصل نہ کی وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔‘‘ (تفسیر ضیاء القران از مولانا پیر سید محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۴، صفحہ ۳۷۷)۔

بخاری اور مسلم شریف کی ایک حدیث شریف ہے:

وعن انس ﷺ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و اٰلہ وسلم لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ وولدہ والناس اجمعین - متفق علیه (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۱۲)

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت انس ﷺ سے فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا تا آنکہ میں اسے ماں باپ، اولاد اور سب لوگوں سے پیارا ہو جاؤں۔

وضاحت: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ کامل مومن ہونے کے لیے اہل بیت علیہم السلام سے محبت لازم ہے یعنی اہل بیت علیہم السلام سے اگر محبت نہ ہو تو حضور ﷺ سے محبت بالکل ناقص ہے۔ حاکم نے حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ’’نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو میرے بعد میرے اہل بیت کے حق میں اچھا ہو‘‘۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۷۳)

وعن جابر رضی اللہ عنه قال رایت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه و اٰله وسلم فی حجة یوم عرفة وهو علی ناقبة القصواء یخطب فسمعته الحدیث بطوله

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۵۶۹)

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت جابر ﷺ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے حج میں عرفہ کے دن دیکھا جب کہ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنه قال خرجت مع رسول اللہ صلی اللہ علیه و اٰله وسلم فی طائفة من النهار --- الحدیث بطوله (متفق علیه، مشکوٰۃ، صفحہ ۵۶۸)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابی ہریرہ ﷺ سے فرماتے ہیں کہ میں نے دن کے ایک حصہ میں ان کا ساتھ

دیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ آپ جناب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آئے تو فرمایا کہ کیا یہاں بچہ ہے؟ کیا یہاں بچہ ہے؟ یعنی جناب امام حسن رضی اللہ عنہ۔ پھر زیادہ وقت نہ گزرا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام دوڑتے ہوئے آ گئے حتیٰ کہ ان دونوں میں ہر ایک اپنے صاحب کے گلے لگ گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا الٰہی میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور جو ان سے محبت کرے تو ان سے بھی محبت کر۔ (مسلم، بخاری)

واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا تا قیام قیامت محبین حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق مقبول ہے بشرطیکہ محبت سچی ہو محض دعوے کی نہ ہو۔ بہت سے جاہل پیر اور ملنگ دیکھنے میں آئے ہیں کہ بھنگ گھوٹ رہے ہیں اور گاتے جاتے ہیں "گھٹے بھنگ تو چڑھے رنگ، یا علی مدد پنجتن پاک کی" لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ۔ یہ محبتِ حسنین نہیں بلکہ عداوتِ حسنین علیہما السلام ہے۔ حضرات حسنین کریمین علیہما السلام نے کبھی نماز چھوڑی نہیں جبکہ انہوں نے کبھی پڑھی نہیں اور پھر دعویٰ محبت کا۔ (مرأۃ المناجیح، جلد ۳، صفحہ ۴۷۷)

عن اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کان یا خذہ و الحسن فیقول اللھم احبھما فانی احبھما (الحدیث رواہ البخاری مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۵۶۹)

ترجمہ: روایت ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں (حسین علیہ السلام) اور جناب امام حسن علیہ السلام کو پکڑتے تھے اور فرماتے کہ الٰہی میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔

و عن اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہ قال طرقت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ذات لیلۃ فی بعض الحاجۃ --- الحدیث الٰی ان --- فقال ھذا ابنائی و ابنا ابنتی اللھم انی احبھما فاحبھما و احب من یحبھما (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۵۷۰)

ترجمہ: روایت ہے اسامہ بن زید سے فرماتے ہیں کہ میں ایک رات کسی کام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح تشریف لائے کہ آپ کسی چیز کو گود میں لئے ہوئے تھے۔ مجھے خبر نہ تھی کہ وہ کیا ہے تو جب میں اپنی ضرورت سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا یہ کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گود میں لئے ہوئے ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے کھولا تو وہ حضرت حسن اور حسین تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا یہ میرے دونوں بیٹے (یعنی) میری بیٹی کے بیٹے ہیں الٰہی میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور جو ان سے محبت کرے ان سے بھی محبت کر۔ (مرأۃ المناجیح، جلد ۳، صفحہ ۴۷۶)

عن حذیفہ ﷺ عن قال قلت لامی دعینی أیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و اٰلہ و سلم فاصلی معه المغرب و اسئلہ ان یستغفر لی و لک -الحدیث الخ (رواہ الترمذی، صفحہ ۵۷۱، مشکوٰۃ)

ترجمہ: روایت ہے حضرت حذیفہ ﷺ سے فرماتے ہیں میں نے اپنی والدہ سے کہا مجھے اجازت دیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جاؤں اور آپ ﷺ کے ساتھ مغرب پڑھوں اور آپ ﷺ سے عرض کروں کہ میرے اور تیرے لئے دعائے مغفرت کریں۔ تو میں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ مغرب پڑھی حتیٰ کہ عشاء بھی پڑھی پھر حضور ﷺ واپس ہوئے میں آپ ﷺ کے پیچھے گیا۔ حضور ﷺ نے میری آواز سنی تو فرمایا "یہ کون ہے، کیا حذیفہ؟" میں نے کہا "ہاں"۔ فرمایا تمہاری کیا حاجت ہے اللہ تعالٰی تمہیں اور تمہاری والدہ کو بخشے۔ یہ ایک فرشتہ جو اس رات سے پہلے زمین پر کبھی نہیں اترا اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام کرے اور مجھے بشارت دے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ تعالٰی علیہا جنتی لوگوں کی بیویوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین علیہما السلام جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی)

و عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و اٰلہ

و سلم و احبوا اللہ لما یغذو کم من نعمۃ و احبو نی لحب اللہ احبوا اھل بیتی لحبی

(رواہ الترمذی، صفحہ ۵۷۳، مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے کہ اللہ تعالٰی سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں اپنی نعمت سے روشنی دیتا ہے اور اللہ تعالٰی کی محبت کے لیے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کیلئے میری اہل بیت سے محبت کرو۔

تنبیہ ان تمام احادیث شریف سے یہ امر بخوبی واضح ہوا کہ اہل بیت اطہار علیہم السلام سے محبت ہر مسلمان پر واجب ہے اور ان کی محبت باعثِ فلاح و نجات ہے اور بغض ان سے باعثِ تباہی و بربادی

ہے۔ چونکہ اہل تشیع، روافض وغیرہ اہل بیت اطہار سے محبت کا دم بہت زیادہ بھرتے ہیں اور خصوصاً ایامِ محرم میں اہتمام سے مجالس عزا منعقد کرتے ہیں جس سے ہر شخص کے ذہن میں یہ تاثر ابھرتا ہے کہ اہل بیت علیہم السلام سے محبت کا اظہار گویا ان کا مخصوص فعل ہے---حاشاوکلا۔

یہ صحیح ہے کہ اہل تشیع کی مجالس عزا میں شرکت کرنا اہل سنت کیلئے بوجوہِ کثیرہ جائز نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اہل سنت یکسر محبت اہل بیت رسول ﷺ کو بھول جائیں۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ سب فرقے مخصوص ایام مثلاً محرم میں اہل بیت علیہم السلام سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور وہ بھی ایسے طریقوں سے جو اکثر مسلک اہلسنت کے خلاف ہیں لیکن اہلسنت تو سال کے بارہ مہینے حضرات اہل بیت علیہم السلام سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہئے۔

اہل سنت والجماعت کے نزدیک اظہارِ محبت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مخصوص ایام میں مجالس کا انعقاد ہو اور اس میں نوحہ ومرثیہ خوانی، چیخنا چلانا، منہ پیٹنا، سینہ کوبی کرنا وغیرہ کیا جائے۔ یہ امور عند اہلسنت والجماعت ممنوع وناجائز ہیں۔

محبت اہل بیت علیہم السلام کا اعلیٰ معیار تو یہ ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلا جائے، زبانی جمع خرچ سے محبت کا دعویٰ بالکل بیکار ہے۔

بہرحال سابقہ عبارات واحادیث سے اہل بیت علیہم السلام کا مرتبہ تو ظاہر ہو ہی گیا ہے یہاں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ملاحظہ ہو:

یا اہل بیت رسول اللہ حبکم
فرض من اللہ فی القرآن انزلۃ
یکفیکم من عظیم الفخر انکم
من لم یصل علیہم لا صلوٰۃ لہ

ترجمہ: اے اہل بیت رسول ﷺ تمہاری محبت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرض فرمائی ہے۔ تمہیں عظیم فخر یہی کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ (تنویر الاذہار، جلد ۱، صفحہ ۴۰۵)

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:

أل النبی ذریعتی و هم الیه وسیلتی

ارجویهم اعطی غدا بید الیمین صحیفتی

ترجمہ: آلِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرا ذریعہ نجات ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا وسیلہ ہے ان کے باعث میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت میں میرے داہنے ہاتھ میں صحیفہ دیا جائے گا۔

ان تمام حوالوں سے ثابت ہوا کہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کا عند اللہ کتنا ارفع مقام ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور محبت تکمیل ایمان کیلئے کتنا اہم اور واجب العمل ذریعہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام سے محبت وقتی معاملہ نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لیے تاحیات اہل بیت علیہم السلام و دیگر قرابت دارانِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور احترام واجبی امر ہے۔

رہی یہ بات کہ شہدائے کربلا کے محاسن و فضائل و حالات کب اور کس وقت بیان کرنے چاہئیں تو اس کے لیے شریعت نے کسی وقت کا تقرر نہیں فرمایا۔ ان حضرات کے محاسن چاہے محرم میں ہوں یا غیر محرم میں بیان کرنے میں کسی قسم کی کوئی ممانعت شریعت میں وارد نہیں کیونکہ حرمت کے لیے نص صریح کی ضرورت ہوتی ہے جو یہاں دستیاب نہیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لو کان رفضًا حب أل محمد

فلیشهد الثقلان بانی رافض

ترجمہ: اگر حضور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت سے محبت رفض ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔ (تنویر الاذہار، جلد ۱، صفحہ ۴۰۵)۔

اس سے ثابت ہوا کہ محبتِ اہلِ بیت علیہم السلام سے آدمی رافضی (شیعہ) وغیرہ نہیں بنتا۔ محرم یا غیر محرم میں جو لوگ فضائل و محاسن اور واقعات شہدائے کربلا کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے سننے سے بلا اختیار روتے ہیں تو یہ شرعاً بالکل ممنوع نہیں بلکہ اس میں اجر و ثواب کی امید قوی ہے۔

شریعت میں میت پر اس طرح رونا منع ہے جو حد شرح سے تجاوز کرتا ہو مثلاً چیخ چیخ کر رونا، نوحہ کرنا، منہ پیٹنا، سینہ کوبی کرنا، شکوہ شکایت کرنا، یہ سب امور شرعاً ممنوع ہیں اور اس پر وعید شدید وارد ہے۔ حدیث میں ہے کہ بلند آواز سے رونا شیطان کی آواز ہے لہٰذا ایسے جملہ امور سے اہل سنت کو اجتناب لازم ہے۔

مولانا عبدالحئی فرماتے ہیں نفس ذکر محاسن موتا اور اس پر افسوس کرنا ممنوع نہیں۔ فرماتے ہیں اصل ثنا اور ذکر محاسن مردہ بروجہ ندبہ جائز ہے بلکہ بلا کراہت۔ اسی طرح اصل رونا جو رقتِ قلب کی وجہ سے ہو بے جزع و اضطراب کے جائز ہے بلکہ احادیث میں اس کو رحمت لکھا ہے۔ ایسا رونا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی بار ثابت ہے۔

''جامع الرموز'' میں ہے کہ جب کوئی حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقع بیان کرے تو اس سے پہلے صحابہ کرام کی شہادتوں کے واقعات ضرور بیان کرنے چاہئیں تاکہ روافض کی مشابہت نہ ہو جیسا کہ عون میں ہے

''احمد اور ابن ماجہ نے فاطمہ بنت الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث نقل کی ہے کہ فرمایا حضور نے جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ اسے یاد کرتا ہے اور اس کی وجہ سے اِنَّا اللّٰہ وَ اِنَا اِلَیہِ رَاجِعُوْن کہتا ہے تو اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس مصیبت کے دن ملا تھا اگر چہ وہ مصیبت بہت پرانی ہو چکی ہو۔

یہ حدیث شریف امام حسین علیہ السلام اور ان کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو ان کے ساتھ کربلا میں گئی تھیں روایت کی گئی ہے۔ خدائے ذوالجلال جانتا تھا اس بات کو کہ امام حسین علیہ السلام کی مصیبت باوجود زمانہ گزر جانے کے بھی یاد کی جائے گی اور اسلام کی سنت یہ ہے کہ سنت جاری ہے۔ یعنی جب کبھی اس مصیبت (شہادتِ امام حسین) کا ذکر کیا جائے تو اِنَّا اللّٰہ وَ اِنَا اِلَیہِ رَاجِعُوْن پڑھے پس اس شخص کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس شخص کو پہلے دن ملا تھا۔ (مجموعۃ الفتاویٰ، جلد ۲، صفحہ ۱۸۶)۔

اسی طرح ایک حدیث شریف حضرت امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے:

وعن الحسین بن علی رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و اٰلہ و سلم قال مامن مسلم ولا مسلمۃ یصاب بمصیبۃ فیذکرھا و ان طال عھدھا (الحدیث رواہ احمد و البیھقی - باب ابکاء علی المیت، مشکوٰۃ، صفحہ ۱۵۳)

ترجمہ: روایت ہے حضرت امام حسین علیہ السلام سے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں، فرمایا ایسا کوئی مسلمان مرد عورت نہیں جسے کوئی مصیبت پہنچی ہو اگرچہ پرانی ہو چکی ہو اسے یاد کرے اور پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھے مگر اللہ تعالٰی اسے اس وقت نیا ثواب دیتا ہے ویسا ہی ثواب جیسا مصیبت پہنچنے کے دن دیا تھا۔ (ترجمہ مرأۃ المناجیح، جلد ۲، صفحہ ۵۲۰)

وضاحت: ان احادیث شریف سے اچھی طرح واضح ہوا کہ کسی بھی فوت شدہ شخص کو یاد کرنا یا اس کے محاسن بیان کرنا، افسوس کرنا، رونا شرع شریف میں جائز بلکہ باعث اجر وثواب ہے۔ نیز سابقہ حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ حضرات امامین علیہما السلام و دیگر شہدائے کربلا کے محاسن وفضائل و واقعات بیان کرنا بالکل امر جائز ہے البتہ ان کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات کو بھی بیان کرنا چاہئے۔ نیز ان واقعات کے بیان کرتے وقت چیخنا چلانا، گریبان پھاڑنا، منہ سر پیٹنا، سینہ کوبی وغیرہ سے سختی سے اجتناب لازم ہے تاکہ روافض وغیرہ سے مشابہت نہ ہو جبکہ یہ سب امور شرع شریف نے ممنوع قرار دیئے ہیں۔ محبت اہل بیت اللہ تعالٰی ہر مسلمان کو نصیب فرماوے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے۔

الجواب سوالِ دوم

عاشورا کے دن روزہ رکھنا باعثِ اجر وثواب ہے۔ اس روزہ کے بارے میں مشکوٰۃ شریف میں مسلم اور بخاری شریف کی یہ حدیث (مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۱۷۸) پر موجود ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال ما رایت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و اٰلہ و سلم یتحری صیام یوم فضلہ علی غیرہ الا ھذا الیوم یوم عاشورا و ھذا الشھر یعنی شھر رمضان - متفق علیہ

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھا کہ آپ کسی دن کے روزوں کو دوسرے دنوں پر بزرگی دے کر تلاش کرتے ہوں سوائے اس دن یعنی عاشورا کے دن کے اور اس مہینہ یعنی رمضان کے۔

وعنه قال حسين صام رسول الله صلى الله عليه وأله وسلم عاشورا وامر بصيامه قالوا يا رسول الله انه يوم يعظمه اليهود والنصارىٰ فقال رسول الله صلى الله عليه وأله وسلم لئن بقيت الى قابل لاصومن التاسع (رواه مسلم، مشكوٰة شريف صفحه ۱۷۹)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورا کے دن کا روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم دیا تو صحابہ کرام نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ وہ دن ہے جس کی یہود اور عیسائی تعظیم کرتے ہیں" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر ہم سالِ آئندہ زندہ رہے تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔

وضاحت: مطلب یہ ہے کہ کفار کے ساتھ مشابہت ختم کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آئندہ سال سے عاشورا یعنی دسویں دن کے ساتھ نویں دن کا روزہ بھی رکھیں گے۔ قریش عاشورا کا روزہ رکھتے تھے اور ہجرت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی یہی عمل تھا، ہجرت کے بعد اسلام میں اس دن کا روزہ فرض ہوا پھر رمضان کی فرضیت سے اس روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی مگر سنیت اور استحباب اب بھی باقی ہے۔

اسی طرح حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کو مسلم شریف نے روایت کیا ہے، یہ حدیث شریف طویل ہے جس کے آخر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

وصيام يوم عاشورا احتسب على الله تعالىٰ ان يكفر السنة التى قبلة-- رواه مسلم

(مشكوٰة شريف، صفحه ۱۷۹)

ترجمہ: اور عاشورا کے دن کا روزہ مجھے اللہ تعالیٰ کے کرم پر امید ہے کہ پچھلے سال کا کفارہ بنا دے۔

توضیح: ان روایات سے معلوم ہوا کہ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ باعث اجر وثواب ہے اور اللہ تعالیٰ اس

روزہ کو پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے لیکن یہ خیال رہے کہ دسویں کے ساتھ نویں محرم کو بھی روزہ رکھنا چاہئے تا کہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت باقی نہ رہے۔ (مرأۃ المناجیح، جلد ۳، صفحہ ۱۸۴)

صحیحین میں حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورا کا روزہ خود رکھا اور اس کے رکھنے کا حکم فرمایا۔ مسلم شریف، ابوداؤد، ترمذی، نسائی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمضان المبارک کے بعد افضل روزہ محرم کا روزہ ہے اور فرض نماز کے بعد افضل نماز صلوٰۃ اللیل یعنی رات کی نماز جیسے تہجد وغیرہ۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی دن کے روزہ کو اوروں پر فضیلت دے کر جستجو فرماتے نہ دیکھا مگر یہ عاشورا کا دن اور یہ رمضان المبارک کا مہینہ۔

بخاری و مسلم شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہود کو عاشورا کے دن روزہ دار پایا۔ آپ نے ان سے وجہ پوچھی کہ تم اس دن کیوں روزہ رکھتے ہو تو یہودیوں نے کہا کہ یہ عظمت والا دن ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور فرعون اور اسکی قوم کو دریا میں غرق کر دیا لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے بطورِ شکر اس دن کا روزہ رکھا تو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا موسیٰ علیہ السلام کو موافقت کرنے میں بہ نسبت تمہارے ہم زیادہ حقدار ہیں اور زیادہ قریب ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی فرمایا۔

انتباہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کوئی خاص نعمت عطا فرمائے اس کی یادگار قائم کرنا درست ومحبوب ہے کہ وہ نعمتِ خاصہ یاد آئے گی اور اس کا شکریہ ادا کرنے کا سبب ہوگا۔ خود قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ (سورہ ابرٰھیم: ۵) یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام کے دنوں کو یاد کرو اور چونکہ ہم مسلمانوں کے لیے حضور اقدس کی ولادت کے دن سے بہتر و افضل کون سا دن ہوگا جسکی یادگار ہم قائم کریں کہ تمام نعمتیں انہی کے طفیل سے تو ہیں اور یہ دن عید سے بھی بہتر ہے کہ انہی

کے صدقہ میں تو عید عید ہوئی ہے اسی وجہ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کا سبب خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذاک یوم فیہ فیل ولدت اس دن یعنی پیر کے دن میری ولادت ہوئی۔ (بہار شریعت جلد ۵، صفحہ ۹۳)

الجواب سوالِ سوم

واضح ہو کہ ایصالِ ثواب کے لیے شریعت نے کسی چیز کا تعین نہیں فرمایا۔ یہ تو انسان کی اپنی وسعت پر ہے جہاں تک ممکن ہو اچھی اور مرغوب مفید چیز کو راہِ خدا میں ایصالِ ثواب کے لیے خرچ کرنا چاہئے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (اٰل عمران: ۹۲)

یعنی تم ہرگز نہ پاسکو گے کامل نیکی جب تک نہ خرچ کرو راہِ خدا میں ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں لن تبلغو احقیقۃ البر اندی ھو کمال الخیر یعنی اپنی محبوب اور عزیز چیزوں کو راہِ خدا میں خرچ کئے بغیر تم نیکی کی حقیقت تک جو خیر و احسان کا درجہ کمال ہے رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور محبوب اشیاء میں متاع و مال، جسم و جان اور جاہ و منصب سب داخل ہیں۔ (بحوالہ تفسیر ضیاء القرآن، حاشیہ نمبر ۹۴، صفحہ ۲۵۳)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب کے لیے شریعت نے کسی چیز کا تعین نہیں فرمایا۔ اسی طرح ''نزہۃ المجالس'' میں ایک روایت ہے

حیات فی الکتاب المتخار و مطالع الانوار عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم لا یاتی علی المیت اشد من اللیلۃ الاولی فارحموا موتا کم باالصدقات فمن لم یجد فلیصل رکعتین---الیٰ آخرہ (نزھتہ المجالس، جلد ۱، صفحہ ۵۲)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میت پر پہلی رات سے زیادہ سخت رات نہیں آتی پس تم صدقہ خیرات کے ذریعہ اپنے مُردوں پر رحم کرو اگر ایصالِ ثواب کے لیے کسی کے پاس کوئی بھی چیز نہ ہو تو وہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر اس کا ثواب مردہ کو بخش دے۔

اس سے اچھی طرح واضح ہوا کہ اگر مالی وسعت نہ ہوتو کوئی نفلی عبادت ہی کر کے اس کا ثواب مردہ کو بخش دینا چاہئے ---انتہیٰ۔ بہرحال زندوں کی طرف سے مردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے جو بھی وسعت ہو اس کے مطابق صدقہ کرنا ضروری ہے اور اس کا ثواب مردہ کو ضرور ملتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

وعن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها قالت ان رجلا قال للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه و اٰله و سلم ان امی افتلت نفسها و اظنها لو تکلمت تصدقت فله لها اجر ان تصدقت عنها قال نعم---متفق علیه (مشکوٰۃ شریف، صفحه ۱۷۲)

اس حدیث شریف کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا، روایت ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ ایک شخص نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ میری ماں اچانک فوت ہوگئی ہے، میرا خیال ہے کہ اگر کچھ بولتی تو خیرات کرتی۔ تو کیا انہیں ثواب ہوگا اگر میں ان کی طرف سے خیرات کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔ (مرأۃ المناجیح جلد ۳، صفحہ ۱۲۸)

یہ حدیث شریف بیّن دلیل ہے کہ خیرات صدقات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے۔ سائل کو معلوم ہونا چاہئے کہ شربت، دودھ، پانی وغیرہ کی سبیل لگانا بھی ایصالِ ثواب کی نیت سے ہوتا ہے اور سابقہ سطور میں گزر چکا ہے کہ ایصالِ ثواب کے لیے کسی چیز کا تعین ضروری اور مطلوب شرعی نہیں ہے جو کچھ بھی توفیق ہو بہ نیت ایصالِ ثواب خرچ کرنے سے مردہ کو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب ضرور پہنچائے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے انما الاعمال بالنیات۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے تو پانی کیا پورا کنواں کھدوا کر ایصالِ ثواب کے لیے اسے وقف کر دیا جیسے کہ روایت ہے:

وعن سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنه قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدق افضل قال الماء فحفر بئیرا و قال هذه لام سعد (رواه ابو داؤد، مشکوٰۃ شریف، صفحه ۱۶۹)

ترجمہ: روایت ہے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ سعد کی ماں وفات پا گئی ہیں تو اب کون سا صدقہ بہتر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا پانی۔ لہٰذا سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں

کھدوایا اور فرمایا کہ یہ کنواں سعد کی ماں کا ہے۔(مرأۃ المناجیح، ابوداؤد، نسائی، جلد ۳، صفحہ ۱۰۴)

فائدہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ان کی طرف پانی کی خیرات کرو کیونکہ پانی سے دینی دنیوی منافع حاصل ہوتا ہے خصوصاً ان گرم وخشک علاقوں میں جہاں پانی کی کمی ہو بعض لوگ سبیلیں لگاتے ہیں۔عام مسلمان ختم فاتحہ وغیرہ میں دوسری چیزوں کے ساتھ پانی بھی رکھ دیتے ہیں۔ان سب کا ماخذ یہ حدیث شریف ہے کیونکہ پانی کی خیرات بہتر ہے۔

نوٹ: اس حدیث شریف میں مزید تشریح وتوضیح کے لیے مرأۃ المناجیح کوملاحظہ فرماویں۔مذکورہ حدیث شریف سے بطورِ احسن ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب کے لیے پانی وغیرہ کی سبیل لگانا شرعاً درست اور باعث اجروثواب ہے جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسی طرح ایک روایت ہے حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ سے

عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ و سلم ایما مسلما کسا مسلما ثوبا-الحدیث بطولہ (رواہ ابو داؤد و الترمذی، مرأۃ، جلد ۳۴، صفحہ ۱۰۵۴)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابوسعید سے، فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے سبز جوڑے پہنائے گا اور جو کسی مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھلائے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھل کھلائے گا اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا، اللہ تعالیٰ اسے پاک وصاف شراب پلائے گا۔(ابوداؤد وترمذی)

رزقنا اللہ تعالیٰ بجاہ سید المرسلین---اٰمین

واللہ اعلم باالصواب

لاکھ تدبیریں کرو مٹتا نہیں عشقِ حسین

پیر سید علی جنید الحق گیلانی (گولڑہ شریف)

بو الہوس کیسے سمجھ پائے غمِ شبیر کو
دشت چھو سکتا نہیں گلزار کی تاثیر کو

شان جس کی "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"
دیکھ دل کی آنکھ سے اس پیکرِ تنویر کو

ہے زباں معذور تشریح و بیانِ درد سے
دل کی کیفیت عطا ہوتی نہیں تقریر کو

لاکھ تدبیریں کرو مٹتا نہیں عشقِ حُسین
حُبِّ آلِ مصطفیٰ منظور ہے تقدیر کو

گلستانِ مصطفیٰ کا ہر گلِ تر پاک ہے
بے تعصب پڑھ کے دیکھو آیتِ تطہیر کو

لشکرِ باطل کی آوازِ اذاں سے وا ہوا
تم کبھی تکبیرِ حق سمجھو نہ ہر تکبیر کو

مٹ گیا خود ہی مٹانے جو چلا ذکرِ حسین
اُس کی بدبختی، نہ سمجھا شاہ کی توقیر کو

دے رہا ہے درس ہم کو کربلا کا واقعہ
حق کی خاطر سونت لو تم حیدری شمشیر کو

پشت پر میری علی مہرِ علی کی مُہر ہے
ایسی دولت کب میسر ہے کسی بے پیر کو

مقامِ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث
حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واطاعت اور تکریم وتعظیم قرآن وحدیث کی رو سے ہر مسلمان پر فرض ہے اور پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولاد پاک یعنی اہل بیت عظام کی محبت اور عزت واحترام بھی ایک لازمی امر ہے۔قرآن کریم کی متعدد آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور احادیث مبارکہ میں خود پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت کے مقام ومنصب کی طرف توجہ دلائی ہے۔

حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد منظم طور پر اہل بیت عظام کی شان گھٹانے کی کوششیں شروع ہوگئیں اور اس کے بعد حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کو جن مشکلات، مصائب اور ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا وہ تاریخ اسلام کا ایک سیاہ باب ہے۔

بنوامیہ کی طرف سے منبر رسول پر اہل بیت عظام کی طعن وتشنیع اور ہتک وتوہین کے واقعات کو مسعودی، ابن خلدون اور شاہ معین الدین ندوی کے علاوہ دیگر مورخین اسلام نے اپنی تاریخوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ظلم واستبداد کے اس تاریک دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین، تبع تابعین، اولیائے کرام اور علمائے مسترشدین نے امت محمدیہ کو اہل بیت عظام کی عظمت ورفعت اور قدر ومنزلت سے آگاہ کرنے کے لیے جو خدمات سرانجام دیں وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔حضرت علامہ ابن حجر مکی رحمت اللہ علیہ اپنی کتاب ''صواعق محرقہ'' صفحہ ۲۱۴ پر اہل بیت عظام کی شان میں گستاخیوں اور بے ادبیوں کے آغاز پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''بنی امیہ کا ایک گروہ آپ (سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم) کی تنقیص کرنے

لگا اور منبروں پر آپ کو گالیاں دینے لگا اور ملعون خوارج نے ان کی موافقت کی بلکہ انہوں نے آپ کو کافر تک کہا تو اہل سنت کے جلیل القدر حفاظ امت کی خیر خواہی اور حق کی نصرت کے لیے آپ کے فضائل کی نشر و اشاعت میں لگ گئے۔''

حضرت علامہ امام اسمٰعیل نبھانی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں اپنی کتاب ''برکات آل رسول'' صفحہ ۱۲۹ پر رقم طراز ہیں:

''بنوامیہ نے آپ کی تنقیص کی تو جس جس صحابی کو آپ کے مناقب کا علم تھا اس نے بیان کر دیا، جوں جوں انہوں نے آپ کے ذکر کو مٹانے کی کوشش کی اور آپ کے مناقب بیان کرنے والے کی سرزنش کی آپکے مناقب اتنے ہی زیادہ پھیلتے رہے''۔

چنانچہ آج پھر دشمنانِ اہل بیت کا ٹولہ سرگرم ہو کر محراب و منبر پر علی الاعلان آلِ نبی ﷺ و اولادِ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم خصوصاً حضرت امیر المومنین امام الاولیاء جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اجمعین کو ہدف تنقید بنا رہا ہے۔ لہٰذا امت محمدیہ کی خیر خواہی کے لیے اہل بیت عظام کے مقام و منصب سے انہیں آگاہ کرنا اس وقت انتہائی ضروری اور لازمی ہے تاکہ عوام و خواص اس شر سے بچ جائیں۔

اسی مقصد کے پیش نظر راقم الحروف نے حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''خصائص نسائی شریف'' کی شرح ''انوارِ علی'' کے نام سے کی ہے جس میں امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم، سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا اور حسنین کریمین علیہم السلام کے فضائل و مناقب پر مشتمل ایک سو اکیانوے احادیث و آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اہل بیت عظام کی شان میں نازل ہونے والی قرآن مجید کی چند آیات کریمہ، پیارے محبوب ﷺ کی کچھ احادیث مبارکہ کے علاوہ چاروں آئمہ اہل سنت یعنی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا عقیدہ درج کیا گیا ہے تاکہ ان کے عقائد کی روشنی میں ہم اپنے عقائد درست کر سکیں۔

آیت مودۃ: اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو آنحضرت ﷺ کے اہل بیت عظام سے محبت کرنے کا حکم ان الفاظ میں ارشاد فرمایا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (الشوریٰ:۲۳)

ترجمہ: پیارے محبوب ﷺ ارشاد فرمادیجئے کہ میں تم سے اس پر اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

اس آیہ کریمہ میں یہ بتایا جارہا ہے کہ اے میری امت میں نے تمہیں یہ جو دین اسلام کی تبلیغ کی ہے اور اپنے حقیقی رب تعالیٰ کی طرف تمہاری رہنمائی کی ہے تو میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا لیکن یہ کہتا ہوں کہ تم میرے رشتہ داروں سے محبت کرو۔

اہل بیت کون ہیں؟ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''درمنثور'' اور دیگر مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: ''صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ کے وہ کون سے رشتہ دار ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہے'' تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جناب علی المرتضیٰ، فاطمۃ الزہرا اور ان کی اولاد یعنی حسنین کریمین''۔ حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے کنزالایمان کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ''علی، فاطمہ اور حسنین کریمین'' کے علاوہ ''ازواجِ مطہرات بھی اہل بیت میں شامل ہیں''۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی شریف، طبرانی، حاکم اور بیہقی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث شریف بھی نقل فرمائی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں روزی عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے سبب مجھے محبوب رکھو اور میری محبت کے واسطہ سے میرے اہل بیت کو محبوب رکھو۔

ایک دوسری حدیث جو کہ حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو میرے بعد میرے اہل بیت کے لیے بہتر ہوگا۔

ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو میرے اہل بیت کے ساتھ احسان کرے گا میں اس کا بدلہ اسے قیامت کو

دوں گا۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم: آنحضرت ﷺ نے احادیث مبارکہ میں جناب امیر المومنین، شیر خدا، امام الاولیاء، سند الاتقیاء حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی محبت وعظمت اور آپ کے ساتھ حسد وبغض سے بچنے کی تلقین ان الفاظ میں فرمائی۔ ''میں جس کا محبوب ہوں علی بھی اس کا محبوب ہے، اے اللہ! جو اس سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔'' (رواہ النسائی فی الخصائص علی)

اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث ابو یعلیٰ اور بزاز نے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کی ہے: آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے جناب علی المرتضیٰ سے محبت رکھی بیشک اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کیا اور جس نے علی کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی۔ یہی حدیث طبرانی نے حضرت ام سلمیٰ سے بھی بہ سندِ حسن روایت کی ہے۔

شیخین نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما اور احمد و بزاز نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم ﷺ جناب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرما کر خود میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے۔ اس پر لوگوں نے باتیں بنائیں کہ علی کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑ دیا گیا ہے تو آپ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ آپ کو میرے نزدیک وہ مقام حاصل ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں حاصل تھا، ہاں فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

طبرانی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت علی کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا علیہا السلام: سرور عالم و عالمیان ﷺ نے اپنی جگر گوشہ، بتول،

طاہرہ، راضیہ، مرضیہ جنابہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کے مناقب ومحامد ان الفاظ میں بیان فرمائے: ''فاطمہ میرے اہل بیت میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے'' (رواہ ترمذی)۔ ''فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا'' (رواہ البخاری)۔ ''فاطمہ میرے جسم کا ایک حصہ ہے جس نے اس کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی'' (رواہ البخاری)۔ ''فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہے'' (البدایہ والنہایہ)۔ ''فاطمہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی'' (کنز العمال)۔

امام طبرانی نے سند حسن سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے فرمایا ''جس سے تو ناراض ہوگی، اللہ بھی اس سے ناراض ہوگا اور جس سے تو راضی ہوگی اللہ تعالیٰ بھی اس سے راضی ہوگا''۔

متعدد صحابہ کرام نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ندا کرنے والا عرش سے ندا کرے گا اے اہل محشر اپنے سروں کو جھکا لو، اپنی آنکھیں بند کر لو تاکہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پل صراط سے گزر کر جنت کی طرف چلی جائیں۔ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ستر ہزار جنتی حوروں کے ہمراہ بجلی کی چمک کی طرح گزر جائیں گی'' (برکاتِ آلِ رسول)۔

حسنین کریمین علیہم السلام: امام الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دونوں نواسوں کے مقام ومرتبہ کی نشاندہی ان الفاظ مبارک میں فرمائی: ''حسن وحسین نوجوانان جنت کے سردار ہیں'' (احمد، ترمذی، طبرانی)۔ ''میرے یہ دونوں بیٹے حسن اور حسین نوجوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کا باپ ان دونوں سے بہتر ہے'' (ابن ماجہ، ابن عساکر، حاکم)۔ ''حسن اور حسین دونوں میری دنیا کے پھول ہیں'' (ترمذی شریف)۔ ''یہ دونوں (حسن وحسین) میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں پس تو بھی ان سے محبت رکھ اور جو ان دونوں سے محبت رکھتا ہے اس سے بھی محبت رکھ'' (ترمذی وابن حبان)۔ ''جو حسن وحسین سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے'' (احمد، ابن ماجہ اور حاکم)۔

(جاری ہے)

حالاتِ حاضرہ

پائیدار قیامِ امن وسلامتی

شبیر حُسین اِمام

قرآنِ کریم میں جن چار مہینوں کی حرمت اور تقدس اور خصوصی حیثیت کا ذکر کیا گیا ہے ان میں رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام شامل ہیں (بحوالہ سورہ التوبہ آیت ۳۶)۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث نمبر ۱۱۶۳ کے مطابق ماہِ محرم الحرام کو "شھرُ اللہ" یعنی اللہ جل جلالہ کا مہینہ کہا گیا ہے۔ محرم الحرام کے دوران ملک کے دیگر حصوں کی طرح پشاور اور اِس کے مضافات میں معمولاتِ زندگی یکسر بدل جاتے ہیں بالخصوص اندرون شہر میں محرم الحرام کی مناسبت سے مختلف مسالک و مذاہب کے ماننے والے خصوصی اجتماعات اور جلوسوں کے ذریعے خانوادہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی مَوَدّت و محبت کا اظہار پورے جذبے اور خلوص سے کرتے ہیں۔

اور پھر پشاور کی یہ خصوصیت کہ اِس میں مختلف عقائد اور مذاہب کو ماننے والے ایک گلدستے کی طرح اکٹھا ہو کر سیّد الشہداء امامِ عالی مقام علیہ السلام اور آپ کے جانثار ساتھیوں (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی لازوال قربانیوں کو خراج عقیدت (تعظیم) پیش کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ امت مسلمہ کا یہ اتحاد و اتفاق اسلام دشمنوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا جو فرقہ واریت کو ہوا دیتے ہیں اور مسلم دنیا کے خلاف یہ عالمی سازش راز نہیں ہے۔

محرم الحرام کی آمد سے قبل خیبر پختونخوا میں امن و امان کی صورتحال باعثِ تشویش و پریشانی بن جاتی ہے جسے معمول پر رکھنے کے لیے خصوصی حفاظتی انتظامات کرنا پڑتے ہیں۔ گذشتہ سال محرم الحرام کے لیے آٹھ اضلاع (پشاور، کوہاٹ، ہنگو، ڈیرہ اسماعیل خان، کُرم، اورکزئی، ٹانک اور مانسہرہ) کو حساس قرار دیا گیا تھا جبکہ اِمسال صوبائی محکمہ داخلہ نے آٹھ اضلاع کو انتہائی حساس میں ایبٹ آباد اور ہری پور کا

بھی اضافہ کر دیا جبکہ چودہ اضلاع میں محرم الحرام کے اجتماعات کی حفاظت کے لیے قانون نافذ کرنے والے اضافی چالیس ہزار اہلکار تعینات کئے گئے۔

لمحہ فکر یہ ہے کہ ہر سال "محرم الحرام سیکورٹی پلان" پر عمل درآمد کرنے کے لیے کروڑوں روپے خرچ ہوتے ہیں تاہم خطرات میں کمی نہیں آتی۔قومی وصوبائی فیصلہ سازوں کو اِس بات پر خصوصی توجہ دینی چاہیئے کہ محرم الحرام کے دوران امن وامان کی پائیدار (مستقل) بحالی کے لیے بھی کوششیں کی جائیں۔ جب اِس بات پر تمام مسالک و مذاہب کے ماننے والوں میں اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے کہ محرم الحرام حرمت والا (مقدس) مہینہ ہے تو اِس اتفاق رائے کی برکات وثمرات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے امن و امان کی مستقل بحالی کو عملاً کیوں ممکن نہیں بنایا جاسکتا؟

حرفِ آخر یہ ہے کہ پاکستان کو قومی وحدت کی ضرورت ہے اور اس قومی وحدت کے حصول واطلاق کا عملی تقاضا یہ ہے کہ بالخصوص شہری سطح پر صرف خصوصی حفاظتی انتظامات نہیں بلکہ امن وامان کی بحالی پر یکساں توجہ دی جائے اور مسالک کے مابین ہم آہنگی اور ایک دوسرے کے احترام پر مبنی تعلق کو مضبوط بنایا جائے۔امن ضرورت ہے اور امن بہرصورت قائم ہونا چاہیئے کیونکہ مہنگائی کے دور میں جبکہ معاشی سرگرمیوں کے معطل ہونے سے محنت کش ومزدور طبقات سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں تو قیامِ امن معاشی اِستحکام اور سماجی خوشحالی کے باب میں انتہائی ناگزیر ضرورت بن چکا ہے۔عوام وخواص کو بھی چاہیئے کہ محرم الحرام اور غیر محرم الحرام ایام میں بھی قومی سلامتی کے اداروں سے تعاون کریں۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ اِسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے تو اِس کے ماننے والے ایک دوسرے کے لیے خطرہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اِسلام و دیگر مذاہب کے مقدسات کی حقیقی تعظیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ادب واحترام اور اطاعت کی توفیق کے لیے بھی زیادہ سے زیادہ دعا اور خلوصِ نیت سے کوششیں کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں یہ دُعا بھی کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ذوق وشوق عطا فرمائیں تا کہ ہم انفرادی واجتماعی حیثیت میں حسنات کی پیروی کرسکیں، جو بالیقین دنیا وآخرت میں باعثِ اجر ونجات ہیں۔(آمین یا رَبَّ العالمین)

برائے رابطہ

شاہ محمد غوث اکیڈیمی

کوچہ آقا پیر جان، یکہ توت، پشاور شہر

0332-5553125

www.alameer.org

info@alameer.org

facebook.com/Alameer.org